جمہوریت علماء کرام کی نظر میں

ماہنامہ نوائے افغان جہاد

جولائی ۲۰۱۸ء

جمہوریت، علمائے کرام کی نظر میں

عبد الرؤف انصاری

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (الانعام: ۱۱۶)

"اور اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے۔ تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گم راہ کر دیں گے"۔

تفسیر روح المعانی، جلد ۴، صفحہ ۱۱ پر علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یہ خود بھی گم راہ ہونا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا ہے، اور فاسد شکوک ہیں جو جہالت اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ (ان یتبعون) وہ پیروی کرتے ہیں شرک اور گم راہی کی"۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (الاعراف: ۱۸۷)

"اور لیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں وان تطع اکثر من فی الارض کی تشریح میں جمہوریت کا رد فرمایا۔

مفتی اعظم دار العلوم دیوبند مفتی محمود حسن گنگوہی کا فتویٰ:

سوال: کیا ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمہوریت کو قائم کیا اور کیا خلفائے اربعہ بھی اسی جمہوریت پر چلے یا انھوں نے کچھ تغیر و تبدیل کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

"حضرت شاہ محدث دہلوی رح نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے۔ وہاں قوانین و احکام دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے، یعنی اکثریت رائے قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہو گا۔ قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجب ضلالت فرمایا ہے۔

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ

اور اگر تو زمین میں (موجود) لوگوں کی اکثریت کا کہنا مان لے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ (حق و یقین کی بجائے) صرف وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض غلط قیاس آرائی (اور دروغ گوئی) کرتے رہتے ہیں۔

اہل علم، اہلِ دیانت، اہلِ فہم کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے والے تھے، انہوں نے اس کے خلاف کوئی راہ اختیار نہی کی ہے"۔

(فتاویٰ محمودیہ؛ جلد چہارم؛ کتاب السیاستہ والھجرتہ؛ باب جمہوری و سیاسی تنظیموں کا بیان)

مولانا محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ "فتاویٰ محمودیہ"، جلد ۲۰، صفحہ ۴۱۵ میں لکھتے ہیں:

"اسلام میں اس جمہوریت کا کہیں وجود نہیں (لہٰذا یہ نظامِ کفر ہے) اور نہ ہی کوئی سلیم العقل آدمی اس کے اندر خیر تصور کر سکتا ہے"۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ "ملفوظاتِ تھانوی" صفحہ ۲۵۲ پر لکھتے ہیں:

"ایسی جمہوری سلطنت جو مسلم اور کافر ارکان سے مرکّب ہو۔ وہ تو غیر مسلم (سلطنتِ کافرہ) ہی ہو گی"۔

ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

"آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے۔ صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ بھی معلوم رہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کالانعام کی؟ اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السّلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السّلام ایک طرف۔ آخر اُنہوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار نہیں کی؟ کیوں تفریقِ قوم کا الزام سر لیا؟ اسی لیے کہ وہ قوم جاہل تھی۔ اس کی رائے جاہلانہ رائے تھی"۔ (معارفِ حکیمُ الامّت، صفحہ ۶۱۷)۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"مولانا محمد حسین الہ آبادی رحمہ اللہ نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرتِ رائے پر فیصلہ کرتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانونِ فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلا کم ہیں اور بے وقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بنا پر کثرتِ رائے کا فیصلہ بے وقوفی کا فیصلہ ہو گا"۔ (معارفِ حکیمُ الامّت، صفحہ ۶۲۶)۔

حکیم الاسلام قاری طیب قاسمی رحمہ اللہ "فطری حکومت" میں لکھتے ہیں:

"یہ (جمہوریت) رب تعالیٰ کی صفت 'ملکیت' میں بھی شرک ہے اور صفتِ علم میں بھی شرک ہے"۔

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ "عقائدِ اسلام" صفحہ ۳۳۰ میں لکھتے ہیں:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مزدور اور عوام کی حکومت ہے ایسی حکومت بلاشبہ حکومتِ کافرہ ہے"۔

فقیہ العصر مفتی رشید احمد رحمہ اللہ "احسن الفتاویٰ" جلد ۶ صفحہ ۲۴ تا ۲۶ میں لکھتے ہیں:

"اسلام میں مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس میں متعدد گروہوں کا وجود (حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف) ضروری ہے، جب کہ قرآن اس تصور کی نفی کرتا ہے:

وَاعۡتَصِمُوا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران:۱۰۳)

"اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو"۔

اس میں تمام فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں جب کہ قرآن اس اندازِ فکر کی بیخ کنی کرتا ہے:

وَإِن تُطِعۡ أَكۡثَرَ مَن فِي الۡأَرۡضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (الانعام:۱۱۶)۔

یہ غیر فطری نظام یورپ سے درآمد ہوا ہے جس میں سروں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اس میں مرد وعورت، پیرو جواں، عامی وعالم بلکہ داناونادان سب ایک ہی بھاؤ تُلتے ہیں۔ جس اُمیدوار کے پلّے ووٹ زیادہ پڑ جائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور دوسرا سراسر ناکام۔ مثلاً کسی آبادی کے پچاس علما، عقلا اور دانش وروں نے بالاتفاق ایک شخص کو ووٹ دیے، مگر ان کے بالمقابل علاقہ کے بھنگیوں، چرسیوں اور بے دین اوباش لوگوں نے اس کے مخالف اُمیدوار کو ووٹ دے دیے جن کی تعداد اکاون ہوگئی تو یہ اُمیدوار کامیاب اور پورے علاقہ کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ یہ تمام برگ و بار مغربی جمہوریت کے شجرہ خبیثہ کی پیداوار ہے۔ اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔ نہ ہی اس طریقے سے قیامت تک اسلامی نظام آسکتا ہے۔ 'الجنس یمیل الی الجنس' عوام (جن میں اکثریت بے دین لوگوں کی ہے) اپنی ہی جنس کے نمائندے منتخب کرکے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں۔

اسلام میں شورائی نظام ہے جس میں اہل الحل والعقد غور وفکر کرکے ایک امیر کا انتخاب کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت چھ اہل الحل والعقد کی شوریٰ بنائی جنھوں نے اتفاقِ رائے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔ اس پاکیزہ نظام میں انسانی سروں کو گننے کے بجائے انسانیت کا عنصر تولا جاتا ہے، اس میں ایک ذی صلاح مدبّر انسان کی رائے لاکھوں بلکہ کڑوروں انسانوں کی رائے پر بھاری ہوسکتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی سے استشارہ کے بغیر صرف اپنی ہی صواب دید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، آپ کا یہ انتخاب کس قدر موزوں مناسب اور جچا تُلا تھا"۔

احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ ۹۴ میں لکھتے ہیں:

"جمہوریت کو مشاورت کے ہم معنیٰ سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ جمہوریت عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے۔ درحقیقت جمہوری نظام کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے۔ جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ اور جس کے لیے سیکولرازم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے"۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ 'تفسیر انوار البیان جلد ا صفحہ ۵۱۸ پر لکھتے ہیں:

"ان کی لائی ہوئی جمہوریت بالکل جاہلانہ جمہوریت ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں"۔

شیخ العرب والعجم حضرت حکیم شاہ محمد اختر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہی کہ جدھر زیادہ ووٹ ہوجائیں ادھر ہی ہوجاؤ، بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہوجائے لیکن مسلمان اللہ کا ہی رہتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہ تھا۔ نبی کے پاس صرف اپنا ووٹ تھا، لیکن کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پیغام سے باز آگئے کہ جمہوریت چونکہ میرے خلاف ہے، اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے، اس لیے میں اعلان نبوت سے باز رہتا ہوں؟" (خزائنِ معرفت ومحبت، ص ۲۰۹)

ابنِ امیر شریعت سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر کسی ایک قبر کو مشکل کشا ماننا شرک ہے تو کسی اور نظام ریاست، امپیریل ازم، ڈیموکریسی، کمیونزم، کیپٹلزم اور تمام باطل نظام ہائے ریاست کو ماننا کیسے اسلام ہو سکتا ہے؟ قبر کو سجدہ کرنے والا مشرک، پتھر لکڑی اور درخت کو مشکل کشا ماننے والا، حاجت روا ماننے والا مشرک، اور غیر اللہ کے نظاموں کو مرتب کرنا اور اس کے لیے تگ و دو کرنا اور اس نظام کو قبول کرنا، یہ توحید ہے؟ کہاں ہے جمہوریت اسلام میں؟ نہ ووٹ ہے، نہ مفاہمت ہے نہ ان کا وجود برداشت ہے نہ ان کی تہذیب برداشت ہے... اسلام آپ سے اطاعت مانگتا ہے۔ آپ سے ووٹ نہیں مانگتا، آپ کی رائے نہیں مانگتا... من یطع الرسول فقد اطاع اللہ''۔

(خطاب بموقع توحید و سنت کانفرنس ۲۶ ستمبر ۱۹۸۷ جامع مسجد برمنگھم برطانیہ)

مفتی حمید اللہ جان اپنے ایک نہایت اہم فتوے میں فرماتے ہیں:

''مشاہدے اور تجزیے سے ثابت ہے کہ موجودہ مغربی جمہوری نظام ہی بے دینی، بے حیائی اور تمام فسادات کی جڑ ہے اور خصوصاً اس میں اسمبلیوں کو حق تشریع (آئین سازی، قانون سازی کا حق) دینا سراسر کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ اور ووٹ کا استعمال مغربی جمہوری نظام کو عملاً تسلیم کرنا اور اس کی تمام خرابیوں میں حصہ دار بننا ہے، اس لئے موجودہ نظام کے تحت ووٹ کا استعمال شرعاً ناجائز ہے''

(ماہنامہ سنابل، کراچی، مئی ۲۰۱۳، جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۱۱، ص ۳۲)

مفتی حمید اللہ جان صاحبؒ مزید فرماتے ہیں:

''اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں! صرف اسلامی پاکستان!

اس جمہوری کتے کو اس کنوئیں سے نکالو گے تو کنواں پاک ہو گا ورنہ ہزار ڈول نکال لو یہ کنواں پاک ہونے والا نہیں!''

مولانا فضل محمد دامت برکاتہم 'اسلامی خلافت صفحہ ۱۷۷ پر لکھتے ہیں:

''اسلامی شرعی شوریٰ اور موجودہ جمہوریت کے درمیان اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین میں۔ وہ مغربی آزاد قوم کی افراتفری کا نام ہے۔ جس کا شرعی شورائی نظام سے دور کا واسطہ بھی نہیں''۔

اسلامی خلافت صفحہ ۱۷۶ پر لکھتے ہیں:

''کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اسلامی جمہوریت، یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ اسلامی شراب''۔

مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ 'اسلاف کی سیاست اور جمہوریت' کے صفحہ ۲۶ اور ۲۷ میں لکھتے ہیں:

''کیا کسی جمہوری ملک کی عدالت اللہ کے نازل کردہ دستور کے مطابق چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر سکتی ہے جب کہ اسے اسمبلی نے قانون نہ بنایا ہو؟ آخر اسمبلی کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دستور و قانون پر پھر سے غور کرے۔ اس کا جی چاہے تو اس کو قانون بنادے، جی چاہے تو ٹھکرا دے۔ اسمبلی کو یہ اختیار دینا ہی شرک فی الحاکمیۃ ہے۔ اسمبلی کی منظور کے بعد دستور مانا تو کیا مانا؟ یہ اللہ کی اطاعت ہوئی یا اسمبلی کی؟''

مولانا عبد الرحمن کیلانیؒ اسی کتاب کی ابتدا میں صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں:

''جمہوریت تو حق و باطل میں صلح کرواتی ہے جب کہ جہاد سے حق غالب آتا ہے اگرچہ عددی کثرت حاصل نہ بھی ہو بلکہ اہل حق کی اقلیت کو باطل کی اکثریت پر غلبہ نصیب ہو جاتا ہے اور اسی راستے سے خلافت کا قیام بھی ممکن ہے''۔

پروفیسر عبد اللہ بہاول پوریؒ اپنی کتاب ''اسلام اور جمہوریت میں فرق'' کے صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں:

''مغربی ممالک چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں جمہوریت ہی رہے، خواہ ''اسلامی جمہوریت'' کے نام سے ہی ہو۔ ان کو خطرہ ہے کہ اگر مسلمان جمہوریت کے چنگل سے نکل گئے تو وہ ضرور اسلام کے نظام خلافت کی طرف دوڑیں گے۔ مسلمانوں کو تو خلافت یاد نہیں رہی لیکن کفر کو وہ کبھی نہیں بھولتی۔ کفر کے لیے وہ پیغام موت ہے اور اسلام کے لیے وہ آبِ حیات۔ کفر کو جو نقصان پہنچا وہ خلافت ہی سے پہنچا ہے۔ وہ خلافت راشدہ ہو، یا خلافت بنوامیہ، خلافت عباسیہ ہو یا خلافت عثمانیہ۔ بیت المقدس کو فتح کیا تو خلافت نے، یورپ کو تاراج کیا تو خلافت نے۔ جمہوریت نے تو خلافت کے فتح کیے ہوئے علاقے دیے ہیں لیا کچھ نہیں۔ اسلام کے عروج اور فتوحات کا زمانہ یہ خلافتیں ہی ہیں، جمہوریت نہیں''۔

☆☆☆☆☆

کیا جمہوریت سے اسلام غالب ہو سکتا ہے؟

مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

آج مجھے جو بات آپ سے عرض کرنی ہے وہ یہ کہ اب بھی اگر دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا تو ووٹ کے ذریعے سے نہیں ہو سکتا... کہ آپ سیاسی جماعت بنا کر مغربی جمہوریت کے ذریعے سے آپ اللہ کے دین کو بڑھانا چاہیں... اللہ کے دین کو غالب کرنا چاہیں... تو کبھی بھی دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین ووٹ کے ذریعے سے... مغربی جمہوریت کے ذریعے سے غالب نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ اس دنیا کے اندر اللہ کے دشمنوں کی اکثریت ہے... فساق اور فجار کی اکثریت ہے... اور جمہوریت جو ہے وہ بندوں کو گننے کا نام ہے، بندوں کو تولنے کا نام نہیں ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ

؎جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

وہاں بندوں کو گنا کرتے ہیں کہ کتنے سر ہیں... لہٰذا مغربی جمہوریت کے ذریعے کبھی اسلام نہیں آسکتا... جیسے کہ پیشاب کے ذریعے کبھی وضو نہیں ہو سکتا اور جیسے کہ نجاست کے ذریعے سے کبھی طہارت اور پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح سے لادینی اور مغربی جمہوریت کے ذریعے کبھی اسلام غالب نہیں آسکتا... دنیا میں جب بھی اسلام غالب ہو گا تو اُس کا واحد راستہ وہی ہے... جو راستہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا... اور وہ جہاد کا راستہ ہے کہ جس کے ذریعے سے اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا۔

آج آپ نے سنا... ہمارے ہاں پاکستان میں، وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ شریعت بل کے ذریعے سے ہم اسلام لائیں گے... لیکن جو شریعت بل اسلام کے لیے پیش کیا تو اُس کا حاصل کیا ہوا؟ کل ہی کے اخبار میں آپ نے وزیر اعظم کا بیان پڑھا ہو گا... اخبار کی شہہ سرخی تھی کہ ہم عورتوں کو پردہ نہیں کروائیں گے اور اُنہیں گھر سے باہر نکلنے سے نہیں روکیں گے۔ اسی اخبار میں خبر ہے کہ پاکستان کے تین وزیر... خالد انور (وزیر قانون)، مشاہد حسین (وزیر اطلاعات) اور صدیق کانجو (نائب وزیر خارجہ)... یہ تینوں آدمی مغربی ممالک کے سفیروں کے سامنے پیش ہوئے... اُنہیں بریفنگ دی اور اُنہیں بتلایا کہ "بھائی! تم خوامخواہ پریشان ہو رہے ہو... ہم جو اسلام لائیں گے اُس اسلام میں کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا... ہم جو اسلام لائیں گے اُس اسلام میں شراب پر پابندی نہیں ہو گی... ہم جو اسلام لائیں گے اُس اسلام میں کسی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا زنا پر"۔

یہ باتیں پریس کے اندر موجود ہیں کہ مغربی سفیروں کے سامنے اِنہوں نے کہا کہ "ہم ماڈرن اسلام لانا چاہتے ہیں... آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں"۔ اصل بات کیا ہے؟ قرآن کریم کا حکم ہے کہ

وَقَرۡنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ ٱلۡأُولَىٰ (الاحزاب: ۳۳)

اور قرآن مجید کا حکم ہے کہ عورتوں کو کہہ دیں کہ

يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَن يُعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَ (الاحزاب: ۵۹)

جس اسلام کے اندر پردہ نہیں ہو گا... جس اسلام کے اندر شراب پر پابندی نہیں ہو گی... جس اسلام کے اندر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا... جس اسلام کے اندر زانی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا... وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ اسلام نہیں ہے... اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اسلام اتارا تھا... اُس میں تو عورت کو پردے کا حکم ہے... اُس میں تو زانی کو سنگسار کرنے کا حکم ہے... اُس اسلام کے اندر تو شراب کو حرام کیا گیا ہے... اُس اسلام کے اندر تو چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے... اب یہ سب کچھ نہیں ہو گا تو معلوم نہیں وہ کون سا اسلام ہو گا جو وزیر اعظم اس ملک میں نافذ کرے گا۔ وہ کون سا اسلام ہو گا... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلام تو وہ نہیں ہے...

حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاسی پارٹیاں... چاہے وہ مسلم لیگ ہو، چاہے پیپلز پارٹی ہو... چاہے کوئی بھی ہو... ہم لوگ ان سے خیر کی توقع نہیں رکھتے ہیں... یہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں... اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو رنگ کے خنزیر ہوں اور دو آدمی اس بات پر لڑیں کہ نہیں وہ سفید خنزیر اچھا ہے اور دوسرا کہے کہ نہیں وہ کالا خنزیر اچھا ہے... تقسیم ہند سے پہلے برطانیہ میں دو سیاسی پارٹیاں تھیں... ایک کو لیبر پارٹی کہا جاتا تھا جب کہ دوسری کو ٹوری پارٹی کہتے تھے... مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم، اُس وقت کے بہت بڑے صحافی اور شاعر تھے... اُنہوں نے شعر کہا تھا کہ

؎توقع خیر کی رکھو نہ لیبر سے نہ ٹوری سے
نکل سکتا نہیں آٹا کبھی چونے کی بوری سے

چونے کی بوری سے کبھی آٹا نہیں نکل سکتا۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی سے کبھی اسلام نکلے گا؟ وہ کفر ہو گا... اسلام کبھی نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہم لوگوں کی بے وقوفی ہے... اسلام اگر آئے گا تو انقلاب کے ذریعے سے آئے گا... اسلام اگر آئے گا تو جہاد کے ذریعے سے آئے گا... اور اس دنیا میں جہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا، وہ جہاد کے ذریعے سے ہو گا... ووٹ کے ذریعے سے یا مغربی جمہوریت کے ذریعے سے کبھی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین دنیا میں غالب نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کے ذریعے سے کبھی اسلام آسکتا ہے۔ ابھی 'شریعت بل' کے نام سے جو دستاویز اِنہوں نے پیش کی ہے... اُس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت کی تعریف ہی موجود نہیں ہے۔ شریعت کیا ہے؟ جواب آتا ہے کہ "قرآن و سنت کا جس فرقے کے نزدیک جو مطلب ہے وہی شریعت ہے"... یہ شریعت ہے یا مذاق ہے؟ جس فرقے کے نزدیک قرآن و سنت کی جو تشریح ہے کہتے ہیں وہی قرآن و سنت ہے... قرآن و سنت تو ایک ہے، قرآن کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ

کتاب کو... اور سنت کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل کو... اُس کا فرقے کے ساتھ کیا تعلق ہے کہ جو فرقہ جو مرضی تشریح کرے... یہ تو دین کو متنازعہ بنانے والی بات ہے۔ فرقہ پرستی کو ہوا دینے والی بات ہے اور فرقہ پرستی کو رواج دینے والی بات ہے۔ اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو ضیاء الحق کے زکوٰۃ آرڈیننس کا تھا۔ اُس نے شیعوں کو زکوٰۃ دینے سے مستثنیٰ کیا... جو مسلمان تھے... اہل سنت والجماعت... اُن میں جو فاسق وفاجر تھے اور زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے، وہ بنک میں اپنے آپ لکھوا دیتے کہ ہم شیعہ ہیں...

اب یہاں یہ ہو گا کہ اگر کوئی آدمی مسلمان ہے... مقدمہ عدالت میں پیش ہوا... اُس کو نظر آیا کہ حنفی مذہب میں یا شافعی یا مالکی مذہب میں میرے لیے سزا ہے اور شیعوں کے ہاں میرے لیے سزا نہیں ہے... تو وہ کہہ دے گا کہ میں شیعہ ہوں، میرے نزدیک قرآن و سنت کی وہی تشریح معتبر ہے جو شیعوں کے ہاں ہے۔ تو کیا کریں گے آپ؟ قرآن و سنت کو مذاق بنانے والی بات ہے، قرآن و سنت کو مذاق بنایا جا رہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اُس آرڈیننس کے اندر یہ لکھا ہے کہ وزیر اعظم جو آرڈر اسلام اور شریعت کے حوالے سے جاری کرے گا... جو بھی اُسے نہیں مانے گا وہ سزا کا مستحق ہو گا، سرکاری ملازم ہو گا تو برطرف کر دیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ مقام ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام ہے کہ وہ جو حکم کریں بلاچون وچرا اُسے تسلیم کیا جائے۔ لیکن اُن کے علاوہ جتنے لوگ ہیں... اُن کے حوالے سے قاعدہ اور قانون قرآن کریم نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر اُن کا حکم اور اُن کی بات قرآن و سنت کے مطابق ہو تو ہم مانیں گے اور اگر قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہو تو ہم نہیں مانیں گے۔

کل ایک نشست میں لوگ برملا کہہ رہے تھے کہ اس بل کے پاس ہونے سے تو وزیر اعظم مجتہدِ مطلق بن جائے گا۔ میں نے کہا کہ مجتہد مطلق نہیں وہ 'قادر مطلق' بن جائے گا۔ پھر ظاہر ہے قرآن و سنت کی تشریح پاکستان کی کابینہ کرے گی... جیسے بھٹو کے دور میں قومی اتحاد بنا تھا تو پیپلز پارٹی والے اُس وقت نعرے لگاتے تھے کہ "نو ستارے بلے بلے... آدھے کنجر، آدھے دلے"۔ وہ تو غلط تھا لیکن یہاں پر جو کابینہ ہے وہ واقعتاً آدھے کنجر، آدھے دلے ہیں۔ تو یہ قرآن و سنت کی تشریح کریں گے؟ یا قرآن و سنت کی تشریح یہ پارلیمنٹ سے، قومی اسمبلی اور سینٹ سے کرائیں گے؟ قومی اسمبلی اور سینٹ کی حالت یہ ہے کہ آپ نے علامہ اقبال کا نام سنا ہو گا... اُس کا بیٹا ہے جاوید اقبال... جو پہلے چیف جسٹس تھا لاہور ہائی کورٹ کا... اور اب سینیٹر ہے مسلم لیگ کا... اُس کا بیان چھپا نوائے وقت اخبار میں اور اُس پر اداریہ بھی لکھا گیا... کہ جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا ہے تو اسلام آباد میں شراب مہنگی ہو جاتی ہے۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ کہ یہی اسمبلی کے ممبران... یہ سب شرابی ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی تشریح کریں گے؟ اور یہ لوگ قرآن و سنت کی تشریح کریں گے؟

تیسرے نمبر پر یہ ہے کہ عدالتیں تشریح کریں گی... عدالتوں کے اندر جو جج بٹھائے ہوئے ہیں... اب اگر میں کچھ کہوں گا تو "توہین عدالت" ہو گی... وہ بے چارے کس حیثیت کے لوگ ہیں... لہٰذا شریعت بل کا سارا چکر ویسا ہی ہے جیسے نواز شریف نے کالا باغ ڈیم کے مسئلہ کو سر پر اٹھا کر اُسے متنازعہ بنا دیا... اسی طریقے سے اب اسلام کو متنازعہ بنانا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے میرے بھائیو! کہ اس دنیا میں جہاں بھی اسلام آئے گا... اسلام غالب ہو گا... وہ جہاد کے ذریعے سے ہو گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے...

میں جو آخری بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حالات کو دیکھ دیکھ کر اب الحمدللہ پاکستانی ملت میں بیداری پیدا ہو رہی ہے... خصوصاً نوجوان طبقے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بیداری پیدا کی ہے... اور اُن کے ذہنوں میں انقلاب کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ یہ سوچنے لگے کہ افغانستان میں اگر دین دار نوجوان اور دینی مدارس کے طلبہ اٹھ کر انقلاب لا سکتے ہیں تو پاکستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ وہاں پر اگر دینی مدارس کے لوگ حکومت چلا سکتے ہیں... امن و امان... امریکہ سے، برطانیہ سے، جرمنی سے، جاپان سے... سب سے بہتر ہے وہاں... تو اس سے لوگوں کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا۔ افغانستان میں جب انقلاب نہیں آیا تھا تو پاکستان میں کسی پر ظلم ہوتا تو وہ کہتا کہ "یہاں خمینی آنا چاہیے جو سب کو ختم کر دے"۔ یہ وہ مجبوراً اس لیے کہتے تھے کہ کوئی اور مثال سامنے موجود نہیں تھی۔ اب الحمدللہ ایک مثال موجود ہے... اب جس کسی پر بھی ظلم ہوتا ہے وہ کہتا ہے "یہاں طالبان آنے چاہئیں"... لیکن بھائی! بات یہ ہے کہ افغانستان کے اندر طالبان کی حکومت آئی اور اسلامی شریعت آئی... کب آئی؟... جب سولہ لاکھ انسان شہید ہوئے... دس لاکھ آدمی معذور ہوئے... کسی کا ہاتھ نہیں، کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ نہیں... اس کے بعد پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ انعام دیا، یہ احسان کیا کہ افغانستان کو اسلامی حکومت ملی... علما اور دینی مدارس کے طلبہ کی حکومت ملی اور اسلامی نظام ملا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے، احسان ہے... اللہ تبارک وتعالیٰ یہ مفت میں کسی کو نہیں دیتے... جب تک کہ قربانیاں نہ ہوں۔ تو پاکستان میں لوگ یہ تمنا تو کرتے ہیں کہ طالبان کی حکومت ہو یا طالبان جیسی حکومت ہو لیکن اُس کے لیے جس قربانی کی ضرورت ہے اُس قربانی کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ رات کو ہم سوئیں اور صبح جب ہم اٹھیں تو طالبان کی حکومت ہو۔ ایسا تو نہیں ہوتا... اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت اور طریقہ نہیں ہے... اللہ تبارک وتعالیٰ تو آزماتے ہیں اور آزمائش پر پورا اترنے کے بعد پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت کے اور انعامات کے دروازے کھولتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

جمہوریت اس دور کا صنمِ اکبر

مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اس قبولیتِ عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں، وہ یا تو ان غلطیوں کا ادراک ہی نہیں کر پاتے یا اگر ان کو غلطی کا احساس ہو بھی جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ دُنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں ان کے بارے میں اہلِ عقل اسی المیے کا شکار ہیں۔ مثلاً بت پرستی کو لیجیے! خدائے وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر خود تراشیدہ پتھروں اور مورتیوں کے آگے سر بسجود ہونا کس قدر غلط اور باطل ہے، انسانیت کی اس سے بڑھ کر توہین و تذلیل کیا ہوگی کہ انسان کو -جو اَشرف المخلوقات ہے- بے جان مورتیوں کے سامنے سرنگوں کر دیا جائے اور اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخلوق کو شریکِ عبادت کیا جائے۔ لیکن مشرک برادری کے عقلاء کو دیکھو کہ وہ خود تراشیدہ پتھروں، درختوں، جانوروں وغیرہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمام تر عقل و دانش کے باوجود ان کا ضمیر اس کے خلاف احتجاج نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں کوئی قباحت محسوس کرتے ہیں۔

اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج جمہوریت میں چل رہا ہے، جمہوریت دورِ جدید کا وہ صنمِ اکبر ہے جس کی پرستش اوّل اوّل دانایانِ مغرب نے شروع کی، چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے اس لیے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دُنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔ کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ اسلام جمہوریت کا عَلم بردار ہے اور کبھی اسلامی جمہوریت کی اصطلاح وضع کی گئی، حالانکہ مغرب جمہوریت کے جس بت کا پجاری ہے اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے، اس لیے اسلام کے ساتھ جمہوریت کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام، نظریۂ خلافت کا داعی ہے جس کی رُو سے اسلامی مملکت کا سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی زمین پر اَحکامِ الٰہیہ کے نفاذ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسند الہند حکیم الاُمت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، خلافت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> مسئلہ در تعریف خلافت: ھی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة واقامة ارکان الاسلام والقیام بالجھاد وما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة واعطائھم من الفیئ والقیام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنھی عن المنکر نیابة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(ازالۃ الخفاء ص:۲)
>
> ”خلافت کے معنی ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں دِین کو قائم (اور نافذ) کرنے کے لیے مسلمانوں کا سربراہ بننا۔ دِینی علوم کو زندہ رکھنا، ارکانِ اسلام کو قائم کرنا، جہاد کو قائم کرنا اور متعلقاتِ جہاد کا انتظام کرنا، مثلاً: لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا اور مالِ غنیمت ان میں تقسیم کرنا، قضا و عدل کو قائم کرنا، حدودِ شرعیہ کو نافذ کرنا اور مظالم کو رفع کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا“۔

اس کے برعکس جمہوریت میں عوام کی نمائندگی کا تصوّر کارفرما ہے، چنانچہ جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

”جمہوریت وہ نظامِ حکومت ہے جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے“۔

گویا اسلام کے نظامِ خلافت اور مغرب کے تراشیدہ نظامِ جمہوریت کا راستہ پہلے ہی قدم پر الگ الگ ہو جاتا ہے، چنانچہ:

خلافت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا تصوّر پیش کرتی ہے، اور جمہوریت عوام کی نیابت کا نظریہ پیش کرتی ہے۔

خلافت، مسلمانوں کے سربراہ پر اِقامتِ دِین کی ذمہ داری عائد کرتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کا دِین قائم کیا جائے، اور اللہ کے بندوں پر، اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقرّر کردہ نظامِ عدل کو نافذ کیا جائے، جبکہ جمہوریت کو نہ خدا اور رسول سے کوئی واسطہ ہے، نہ دِین اور اِقامتِ دِین سے کوئی غرض ہے، اس کا کام عوام کی خواہشات کی تکمیل ہے اور وہ ان کے منشا کے مطابق قانون سازی کی پابند ہے۔

اسلام، منصبِ خلافت کے لیے خاص شرائط عائد کرتا ہے، مثلاً: مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، سلیم الحواس ہو، مرد ہو، عادل ہو، اَحکامِ شرعیہ کا عالم ہو، جبکہ جمہوریت ان شرائط کی قائل نہیں، جمہوریت یہ ہے کہ جو جماعت بھی عوام کو سبز باغ دِکھا کر اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کر لے اسی کو عوام کی نمائندگی کا حق ہے۔ جمہوریت کو اس سے بحث نہیں کہ عوامی اکثریت حاصل کرنے والے ارکان مسلمان ہیں یا کافر، نیک ہیں یا بد، متقی و پرہیزگار ہیں یا فاجر و بدکار، اَحکامِ شرعیہ کے عالم ہیں یا جاہلِ مطلق اور لائق ہیں یا کندہ ناتراش، الغرض! جمہوریت میں عوام کی پسند و ناپسند ہی سب سے بڑا معیار ہے اور اسلام نے جن اوصاف و شرائط کا کسی حکمران میں پایا جانا ضروری قرار دیا، وہ عوام کی حمایت کے

بعد سب لغو اور فضول ہیں، اور جو نظامِ سیاست اسلام نے مسلمانوں کے لیے وضع کیا ہے وہ جمہوریت کی نظر میں محض بے کار اور لایعنی ہے، نعوذ باللہ!

خلافت میں حکمران کے لیے بالاتر قانون کتاب و سنت ہے، اور اگر مسلمانوں کا اپنے حکام کے ساتھ نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رَدّ کیا جائے گا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی اور رعایا دونوں پر لازم ہو گی۔ جبکہ جمہوریت کا فتویٰ یہ ہے کہ مملکت کا آئین سب سے مقدس دستاویز ہے اور تمام نزاعی اُمور میں آئین و دستور کی طرف رُجوع لازم ہے، حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتیں۔ لیکن ملک کا دستور اپنے تمام تر تقدس کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے، وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم و تنسیخ کرتے پھریں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں، اور مملکت کے شہریوں کے لیے جو قانون چاہیں بناڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں۔ یاد ہو گا کہ انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے دو مردوں کی شادی کو قانوناً جائز قرار دیا تھا اور کلیسا نے ان کے فیصلے پر صاد فرمایا تھا، چنانچہ عملاً دو مردوں کا، کلیسا کے پادری نے نکاح پڑھایا تھا، نعوذ باللہ!

حال ہی میں پاکستان کی ایک محترمہ کا بیان اخبارات کی زینت بنا تھا کہ جس طرح اسلام نے ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ بیک وقت چار شوہر رکھ سکے۔ ہمارے یہاں جمہوریت کے نام پر مرد و زن کی مساوات کے جو نعرے لگ رہے ہیں، بعید نہیں کہ جمہوریت کا نشہ کچھ تیز ہو جائے اور پارلیمنٹ میں یہ قانون بھی زیرِ بحث آجائے۔ ابھی گزشتہ دنوں پاکستان ہی کے ایک بڑے مفکر کا مضمون اخبار میں شائع ہوا تھا کہ شریعت کو پارلیمنٹ سے بالاتر قرار دینا قوم کے نمائندوں کی توہین ہے، کیونکہ قوم نے اپنے منتخب نمائندوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دیا ہے۔ ان صاحب کا یہ عندیہ جمہوریت کی صحیح تفسیر ہے، جس کی رُو سے قوم کے منتخب نمائندے شریعتِ الٰہی سے بھی بالاتر قرار دیئے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں شریعت بل کئی سالوں سے قوم کے منتخب نمائندوں کا منہ تک رہا ہے لیکن آج تک اسے شرفِ پذیرائی حاصل نہیں ہو سکا، اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام، مغربی جمہوریت کا قائل ہے؟

تمام دُنیا کے عقلاء کا قاعدہ ہے کہ کسی اہم معاملے میں اس کے ماہرین سے مشورہ لیا جاتا ہے، اسی قاعدے کے مطابق اسلام نے انتخابِ خلیفہ کی ذمہ داری اہلِ حل و عقد پر ڈالی ہے، جو رُموزِ مملکت کو سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کے لیے موزوں ترین شخصیت کون ہو سکتی ہے، جیسا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا:

انما الشوریٰ للمهاجرین والأنصار

"خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف مہاجرین و انصار کو حاصل ہے"۔

لیکن بت کدۂ جمہوریت کے برہمنوں کا فتویٰ یہ ہے کہ حکومت کے انتخاب کا حق ماہرین کو نہیں بلکہ عوام کو ہے۔ دُنیا کا کوئی کام اور منصوبہ ایسا نہیں جس میں ماہرین کے بجائے عوام سے مشورہ لیا جاتا ہو، کسی معمولی سے معمولی ادارے کو چلانے کے لیے بھی اس کے ماہرین سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ حکومت کا ادارہ (جو تمام اداروں کی ماں ہے اور مملکت کے تمام وسائل جس کے قبضے میں ہیں، اس کو) چلانے کے لیے ماہرین سے نہیں بلکہ عوام سے رائے لی جاتی ہے، حالانکہ عوام کی ننانوے فیصد اکثریت یہی نہیں جانتی کہ حکومت کیسے چلائی جاتی ہے؟ اس کی پالیسیاں کیسے مرتب کی جاتی ہیں؟ اور حکمرانی کے اُصول و آداب اور نشیب و فراز کیا ہیں...؟ ایک حکیم و دانا کی رائے کو ایک گھسیارے کی رائے کے ہم وزن شمار کرنا، اور ایک کندہ ناتراش کی رائے کو ایک عالی دماغ مدبر کی رائے کے برابر قرار دینا، یہ وہ تماشا ہے جو دُنیا کو پہلی بار جمہوریت کے نام سے دِکھایا گیا ہے۔

درحقیقت عوام کی حکومت، عوام کے لیے اور عوام کے مشورے سے کے الفاظ محض عوام کو اُلّو بنانے کے لیے وضع کیے گئے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت میں نہ تو عوام کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے اور نہ عوام کی اکثریت کے نمائندے حکومت کرتے ہیں، کیونکہ جمہوریت میں اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی کہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے کون کون سے نعرے لگائے جائیں گے اور کن کن ذرائع کو استعمال کیا جائے گا؟ عوام کی ترغیب و تحریص کے لیے جو ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں، ان کو گمراہ کرنے کے لیے جو سبز باغ بھی دِکھائے جائیں اور انہیں فریفتہ کرنے کے لیے جو ذرائع بھی استعمال کیے جائیں وہ جمہوریت میں سب روا ہیں۔

اب ایک شخص خواہ کیسے ہی ذرائع اختیار کرے، اپنے حریفوں کے مقابلے میں زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، وہ عوام کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ عوام بھی جانتے ہیں کہ اس شخص نے عوام کی پسندیدگی کی بنا پر زیادہ ووٹ حاصل نہیں کیے بلکہ روپے پیسے سے ووٹ خریدے ہیں، دھونس اور دھاندلی کے حربے استعمال کیے ہیں اور غلط وعدوں سے عوام کو دھوکا دیا ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ شخص نہ روپے پیسے کا نمائندہ کہلاتا ہے، نہ دھونس اور دھاندلی کا منتخب شدہ اور نہ جھوٹ، فریب اور دھوکا دہی کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے، چشمِ بد دُور! یہ قوم کا نمائندہ کہلاتا ہے۔ انصاف کیجئے! کہ قوم کا نمائندہ اسی قماش کے آدمی کو کہا جاتا ہے؟ اور کیا ایسے شخص کو ملک و قوم سے کوئی ہمدردی ہو سکتی ہے...؟ عوامی نمائندگی کا مفہوم تو یہ ہونا چاہئے کہ عوام کسی شخص کو ملک و قوم کے لیے مفید ترین سمجھ کر اسے بالکل آزادانہ طور پر منتخب کریں، نہ اس اُمیدوار کی طرف سے کسی قسم کی تحریص و ترغیب ہو، نہ کوئی دباؤ ہو، نہ برادری اور قوم کا واسطہ ہو، نہ روپے پیسے کا کھیل ہو

(بقیہ صفحہ ۸۳ پر)

نظامِ جمہوریت... دینِ جدید

شیخ ابو یحییٰ اللیبی رحمۃ اللہ

جب ہم جمہوریت کا جائزہ لیتے ہیں تو اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ جمہوریت تو ایک مکمل و مستقل دین ہے۔ دیگر ادیان کی طرح اس کے اپنے مفاہیم، اصول و قواعد، نظریات اور اقدار ہیں۔ اس حقیقت کو جان لیا جائے تو بیان کردہ عبارتوں کی قباحت و بدصورتی مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی کہے: یہودی اسلام، عیسائی اسلام، اسلامی یہودیت، اسلامی نصرانیت یا اسلامی مجوسیت۔ کیا اس روئے زمین پر کوئی جاہل اور گناہگار مسلمان ایسا بھی ہو گا جو ان ناموں کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو؟ یا اپنے لیے بطورِ دین انہیں پسند کرے؟ یقیناً زمین کے کسی دور دراز کنارے پر بسنے والی ایک بوڑھی مسلمان خاتون، کہ جسے نئی تہذیب اور ثقافت کے جراثیم نہ پہنچے ہوں وہ بھی یہ کلمات سنتے ہی فوراً ہی ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے گی۔ اور یہ کلمات ان کے کہنے والوں کے منہ پر دے مارے گی اور کہے گی کہ مجھے ایسا کوئی دین نہیں چاہیے۔ سمندر یا فضا میں کھیت اگ سکتے ہیں؛ یہ بات شاید اس عورت کو اس عبارت کو تسلیم کروانے سے زیادہ آسان ہو۔ اگر آپ کو اس بات میں کوئی شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لیجیے۔

تو پھر ہم جمہوریت کو اسلام کے ساتھ جوڑنے کی مذموم کوشش کیوں کریں؟... جب کہ یہ بات ہمیں سخت ناپسند ہے اور ہر مسلمان بھی اس بات کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اسلام کو یہودیت، عیسائیت یا مجوسیت کے ساتھ جوڑا جائے۔

لہٰذا اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ جمہوریت ہر اعتبار سے دینِ اسلام کی ضد ہے اور اسلام مخالف ادیان کی طرح ایک مکمل دین ہے۔ جمہوریت کی اس حقیقت کو جاننا اس لیے لازم ہے کہ وہ لوگ جو اس دینِ جدید کے پھیلائے جال میں الجھ کر رہ گئے ہیں انہیں اس بات کا حقیقی ادراک ہو سکے کہ جب وہ جمہوریت کے تانے بانے اسلام کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو درحقیقت اسلام کی توحید کو جمہوریت کے شرک کے ساتھ اور اسلام کے نور کو جمہوریت کے اندھیروں کے ساتھ ملانے کے جرمِ عظیم میں ملوث ہوتے ہیں۔ بھلا اسلام کی اعلیٰ اقدار، پاکیزہ اخلاق اور عدل و انصاف کا خود ساختہ جمہوریت کے ظلم و جبر اور بے انصافیوں سے کیا تعلق؟ کیا تاریکیوں کا رشتہ اجالوں کے ساتھ جوڑا جا سکتا؟ کیا اللہ کی غلامی و عبودیت (اسلام) اور خواہشاتِ نفس کی پیروی (جمہوریت) ایک ہو سکتے ہیں؟

لہٰذا جمہوری اسلام کے دعویداروں سے ہمارا پہلا سوال تو یہ ہے کہ تم ڈیموکریسی کا لفظ اسلام میں ثابت کر کے دکھلاؤ۔ اس مقصد کے لیے عربی لغت کی تمام کتابیں چھان مارو، تمام اشعار عرب کو پڑھ کر دیکھ لو، اہلِ فصاحت و بلاغت میں سے جس سے چاہو پوچھ لو بلکہ گاؤں میں رہنے والی بوڑھی عرب خواتین سے پتہ کر لو اور بادیہ نشین دیہاتیوں سے استفسار کر لو۔ کیا اصل و فصیح لغتِ عرب میں تمہیں ڈیموکریسی کا لفظ مل سکتا ہے؟ فصیح تو کجا غیر فصیح عرب لغت میں بھی تم یہ لفظ نہیں پاؤ گے۔ ثابت ہوا کہ یہ لفظ ہماری زبان میں اجنبی ہے جو مغرب سے درآمد شدہ ہے۔ اسے گھڑنے والوں کے نزدیک اس کے خاص اصطلاحی معنی ہیں جن سے اسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری زبان میں ان معنی کو ''عوام کی حاکمیت'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی ایک فقرے میں جمہوریت کا نچوڑ اور خلاصہ موجود ہے اور اگر اس معنی کو جمہوریت سے نکال دیا جائے تو جمہوریت کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ تمام جمہوری نظام اگرچہ متعدد راہیں رکھتے ہیں لیکن ان سب کی منزل ایک ہے...یعنی ''عوام کی حاکمیت''۔ کوئی بھی مسلم یا غیر مسلم یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں جس جمہوریت کو مانتا ہوں وہ اِس معنی سے عاری ہے اور عوام کی حاکمیت کا اقرار نہیں کرتی۔ اور اگر کوئی عقل سے عاری شخص یہ دعویٰ کرتا ہے تو اس کا حال اُسی شخص کی طرح ہو گا جو یہ کہے کہ میں ایسی یہودیت کی طرف دعوت دے رہا ہوں جو اپنے بنیادی مضامین و معانی سے خالی ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے دعوے کی تصدیق کی جائے گی؟ کیا کوئی مسلمان ایسی یہودیت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو گا؟

دینِ جمہوریت میں عوام کو حاکم تصور کیا جاتا ہے، اس طور پر کہ عوام کی طاقت ہی اصل طاقت ہے اور عوام کا فیصلہ ہی نافذ العمل ہے۔ عوام کا ارادہ ہی دینِ جمہوریت میں رائج ہو گا اور عوام کے قوانین ہی لاگو و قابلِ احترام ہوں گے۔ اس نظام کے مطابق کسی کو جرأت نہیں کہ عوام کے حکم پر نظر ثانی کر سکے یا ان کے فیصلے کو ٹال سکے، گو کہ عوام اپنی حکمرانی میں کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

مجھے یہ بات بھی معلوم ہے کہ کوئی مسلمان بھی ان کلمات کو پسند نہیں کرے گا۔ بلکہ انہیں انتہائی ناپسندیدگی اور نفرت و ملامت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اور اللہ کی قسم! یہ نفرت کے حق دار ہی ہیں... اور ملامت کے حقدار تو وہ لوگ ہیں جو اسلامی جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں اور عوام کے سامنے اس کی اصل حقیقت کا اظہار نہیں کرتے اور جمہوریت کے بدصورت چہرے کا نقاب نہیں الٹتے بلکہ فاسد تاویلات اور حیلہ سازیوں کے ذریعے اس کی قباحتوں پر پردہ ڈالتے اور اسے مستحسن قرار دیتے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا باللہ۔

چونکہ یہ ناممکن ہے کہ تمام عوام کو ایک میدان میں جمع کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی اجتماعی یا اکثریتی رائے سے قانون سازی کر سکیں، لہٰذا مغرب نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک خاص نظام وضع کیا ہے۔ اس نظام میں عوامی نمائندے عوام کی مرضی اور رائے سے منتخب ہو کر ان کی ترجمانی کرتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے پارلیمان کو تشکیل دیا جاتا ہے جس کا ہر رکن اپنے حلقے کے عوام کا ترجمان اور قائم مقام ہوتا ہے، اس کی رائے عوام کی رائے سمجھی جاتی ہے اور اس کا فیصلہ عوامی فیصلہ کہلاتا ہے، جمہوری نظام میں پارلیمنٹ ہی قانون سازی کا بالاتر ادارہ ہوتا ہے اور اسے ہر طرح کے قانون بنانے کی کھلی آزادی ہوتی ہے صرف اس شرط پر کہ وہ قانون آئین سے متصادم نہ ہوں۔ (یہ بات پیشِ نظر رہے کہ پاکستان کے آئین میں پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کے ذریعے سے ترمیم و اضافہ کیا جا سکتا

ہے... مترجم)۔ اس شرط کالحاظ رکھنے کے بعد پھر پارلیمان کو کھلی چھوٹ ہے کہ شریعت کے مطابق یا مخالف، جیسے چاہے قانون بنائے کیونکہ یہ عوام کا منتخب شدہ ادارہ ہے اور جمہوریت یہ کہتی ہے کہ حاکمیت صرف عوام کا حق ہے۔ لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کرنے یا تلملانے کا حق نہیں ہے۔ الا ساء مایحکمون (بہت برا ہے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں)۔ پارلیمان کی ذمہ داری ہی یہ ہے کہ قانون سازی کرے، خواہ اس کا نام پارلیمنٹ ہو، دستور ساز اسمبلی یا ایوانِ نمائندگان۔ یہ ایک ہی ادارے کے مختلف نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَاۗءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف: ۴۰)

”تم اُس (ذاتِ باری تعالیٰ) کے سوا صرف ناموں ہی کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے مقرر کیے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی، حکم تو صرف اللہ کے لیے خالص ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو، یہی مضبوط اور مستحکم دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے“۔

جس کے دل میں ایمان کا نور موجود ہے اسے یقین کی حد تک یہ معلوم ہے کہ یہ دینِ جدید (جمہوریت) ایک لحظے کے لیے بھی نہ تو دل و دماغ میں اور نہ ہی عملی زندگی میں ایمان کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ جب کوئی شخص اس دینِ جدید (جمہوریت) کو قبول کرتا ہے تو دوسرے دین کو منہدم کر کے ہی نئے دین میں داخل ہوتا ہے۔ جس نے یہ حقیقت جان لی، سو جان لی اور جو اس حقیقت سے جاہل رہا، سو جاہل رہا۔ اور بہت بری ہے وہ جہالت جو انسان کو ایمان کی سربلندی سے اٹھا کر کفر کی کھائیوں میں جا گراتی ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ یہ حقیقت ہر اس شخص پر واضح اور عیاں ہو چکی ہے جو حق سے عناد اور بغض نہیں رکھتا۔ البتہ مزید وضاحت کے لیے ہم جمہوریت کے بعض اہم امور کا تذکرہ کرنا چاہیں گے جو دین اسلام سے مکمل تضاد رکھتے ہیں۔ یہ اس لیے تاکہ ہمیں اس عظیم جرم کا ادراک ہو سکے جسے جمہوری اسلام کے دعوے دار اسلام اور مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر کے انہیں ہلاکت کی راہوں پر دھکیلنا چاہتے ہیں، بلکہ دھکیل چکے ہیں اور آج حیرت و اضطراب اور نحوست و عذاب کی شکل میں امتِ مسلمہ اس جمہوری تماشے کا مزہ چکھ رہی ہے۔

اولاً: وہ بنیادی اصول جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت کی نازل کردہ شریعت کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اسی میں بندوں کا امتحان بھی ہے اور یہی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے کسوٹی بھی ہے۔ اگر بندہ اپنے رب کی غیر مشروط اطاعت نہ کرے تو وہ بندہ نہ ہوا۔ لہٰذا بندے کا یہ کام نہیں کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے، اپنی عادت کو اس پر ترجیح دے، اپنے تجربے کی بنیاد پر حکم الٰہی سے سرتابی کرے یا اپنی رائے کو اللہ کے حکم کے مقابلے میں قابلِ احترام سمجھے۔ خواہ فرد ہو یا جماعت، پارلیمنٹ ہو یا عوام، کوئی قبیلہ ہو یا تنظیم سب پر لازم ہے کہ اللہ کے احکامات کے سامنے جھک جائیں اور اس کی نازل کردہ شریعت کو دل و جان اور قلب و قالب سے تسلیم کر لیں۔ کوئی مسلمان خواہ کتنے ہی دعوے یا زعم کیوں نہ رکھتا ہو اس وقت تک حقیقی مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کی یہ حقیقت اس کے دل میں ثبت نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النساء: ۱۲۵)

”اور اس شخص سے اچھا دین کس کا ہو سکتا ہے جس نے خود کو اللہ کے (حکم کے) سامنے جھکا دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ملتِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کی جو یکسو تھے“۔

تو جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کے لیے اس بارے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو من و عن تسلیم کر لینا اور اس کے سامنے جھک جانا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

”اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہو گیا“۔

یہی اسلام کا بنیادی اصول ہے جس کی طرف انتہائی تاکید کے ساتھ دعوت دی گئی ہے۔ جب کہ دینِ جمہوریت میں تو اسلام کے مندرجہ بالا اصول کو بالکل منہدم کر دیا گیا ہے۔ نظامِ جمہوریت میں بلکہ صحیح تر الفاظ میں دینِ جمہوریت میں انسانوں کو ہر قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور جب تک کوئی قانون پارلیمنٹ سے منظور نہ ہو اس وقت تک اس کو کوئی تقدس، احترام یا حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔

آسمانوں سے نازل ہونے والے احکاماتِ الٰہی کہ جنہیں سن کر ہر مسلمان مرد و زن پر یہ کہنا واجب ہوتا ہے کہ سمعنا و اطعنا...ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ لیکن ان کے بارے میں جمہوریت کہتی ہے کہ ہم ابھی ان پر نظرِ ثانی کریں گے۔ بحث و مباحثہ ہو گا، ترمیم و اضافہ ہو گا، جسے چاہیں گے مانیں گے اور جسے چاہیں گے رد کر دیں گے۔ گویا دینِ جمہوریت میں اللہ رب العزت کے حقوق ارکانِ پارلیمنٹ کو تفویض کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، اب اگر روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک بسنے والے تمام جن و انس

مل جائیں اور شراب کے جواز یا حرمت کا از سر نو جائزہ لیں تو صرف اسی بات پر وہ معاند کفار بن جائیں گے خواہ اس جائزے کے بعد اسے حرام ہی کیوں نہ قرار دیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے جب کہ جمہوریت نے تو تمام احکاماتِ الٰہیہ پر نظر ثانی اور حک و تنسیخ کے دروازے چوپٹ کھول رکھے ہیں۔ پورا دین گویا کہ عوامی اختیار اور ارادے کا ماتحت ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر عوام اسے قبول کرلیں پھر تو یہ محترم و مقدس و قابل عمل دین قرار پائے گا اور اگر عوام اسے رد کر دیں تو نعوذ باللہ یہ بے وزن، بے وقعت اور مردود ٹھہرے گا۔ یہاں تک کہ جمہوری اسلام کے بعض دعویداروں نے تو بصراحت کہا ہے کہ اگر عوام ملحد کیمونسٹ طرزِ حکومت اختیار کریں تب بھی ان کے اختیار کا احترام کیا جائے گا اور اگر خود عوام ہی اسلامی حکومت کو رد کر دیں تو تب بھی ان کی پسند و اختیار کو تقدیس حاصل ہو گی۔ جب کہ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ (الرعد:۴۱)

”اللہ فیصلہ کرتا ہے... کوئی اس کے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کر سکتا“۔

اس کے برعکس جمہویت کہتی ہے کہ نہیں، ہزار بار نہیں... بلکہ عوام فیصلہ کرتے ہیں اور عوامی فیصلے کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ قرآنِ کریم کہتا ہے:

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ (الاحزاب:۳۶)

”اور کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں“

جب کہ جمہوریت کہتی ہے نہیں... بلکہ عوام کو تمام اختیارات حاصل ہیں، حق وہ ہے جسے عوام قبول کریں اور باطل وہ ہے جسے عوام رد کر دیں۔ عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی سے جیسے چاہیں احکام و قوانین اختیار کریں۔ قرآن پاک کا فرمان ہے:

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (النور:۵۱)

”مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا“۔

جب کہ جمہوریت کہتی ہے کہ نہیں... بلکہ جب لوگوں کو عوامی فیصلے کی طرف بلایا جائے تو انہیں کہنا چاہئے کہ سمعنا واطعنا... ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ قرآن مجید کہتا ہے:

وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ (الزخرف: ۸۴)

”اور وہی ذاتِ باری تعالیٰ آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین پر بھی معبود ہے“

لیکن نعوذ باللہ! جمہوریت گویا اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے ٹھیک ہے آسمان تو تیرا ہے لیکن زمین عوام کی ہے اور اس پر حکمرانی اور قانون سازی کا حق بھی صرف عوام کو حاصل ہے۔ اللہ رب العزت نے سچ فرمایا:

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ (یوسف:۱۰۶)

”اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان کا (دعویٰ) رکھنے کے ساتھ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں“۔

اللہ کی قسم! جمہوریت تو قریش اور عرب کی انہی پامال راہوں پر گامزن ہے جو دورانِ حج کہا کرتے تھے: لبیک اللہم لبیک، لبیک لاشریک لہ، الا شریک ھولک تملکہ وما ملک ”حاضر ہیں اے اللہ! ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرا ہی ہے تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیری ملکیت ہیں“۔

قرآن مجید نے واشگاف انداز میں مسئلہ حاکمیت کی حقیقت بیان کی ہے:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النساء:۶۵)

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ تب تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔

اس آیت کے سببِ نزول کے حوالے سے بعض علما نے لکھا ہے کہ دو آدمی اپنا جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحق کے حق میں فیصلہ دے دیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا کہ میں اس فیصلہ پر راضی نہیں۔ دوسرے فریق نے پوچھا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ ابو بکر صدیقؓ سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ وہ دونوں سیدھا ابو بکرؓ کے پاس گئے اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے انہیں بتایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں کر چکے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ جو فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ لیکن دوسرا فریق اب بھی راضی نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ ہم عمر بن خطابؓ کے پاس جائیں گے۔ لہٰذا وہ دونوں سیدنا عمر بن خطابؓ کے پاس پہنچے اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں کر چکے ہیں لیکن دوسرا فریق اس پر راضی نہ ہوا اور پھر ہم ابو بکر صدیقؓ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بہتر ہے لیکن دوسرے فریق نے ان کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ عمر فاروقؓ نے دوسرے فریق سے استفسار کیا کہ آیا یہ معاملہ اسی طرح ہوا ہے؟ اس نے اقرار کیا۔ عمر فاروقؓ اپنے گھر کے اندر چلے گئے۔ واپس نکلے تو ان کے ہاتھ میں بے نیام

تلوار تھی جس سے انہوں نے اس شخص کا سر قلم کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کے لیے میرا فیصلہ یہی ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (تفسیر ابن کثیر ۲۔ ۲۵۳)

جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نظرِ ثانی کی درخواست کرنے والے ایک شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ دوٹوک فیصلہ صادر فرمایا، حالانکہ اس نے صرف ایک معاملے میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر نظر ثانی کے لیے کہا تھا اور رجوع بھی ان عظیم القدر شخصیات کی طرف کیا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ترین ہیں، تو ان لوگوں کا کیا معاملہ ہو گا جو دینِ جمہوریت کی طرف بلاتے ہیں جب کہ دینِ جمہوریت میں تو پورا اسلام ہی عوام کے ارادے پر معلق ہوتا ہے۔ عوام چاہے گی تو اس کا نفاذ ہو گا ورنہ نہیں۔ اس بدترین دینِ جمہوریت میں تو اللہ تعالیٰ کے قطعی احکامات مثلاً شراب، زنا اور فواحش کی آزادی کو بھی پارلیمان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ غور کرے کہ آیا ان کی تحریم مناسب ہے یا تحلیل۔ احکامِ الٰہی پر نظر ثانی کرنے والے یہ ارکان پارلیمنٹ آخر کون ہیں؟ کیا یہ ابو بکر و عمر ہیں یا پاکباز و نیکوکار ہیں؟ اللہ کی پناہ! بھلا یہ متقی و پاکباز نفوس ان ارکان پارلیمنٹ سے کیا نسبت رکھتے ہیں۔ یہ تو کائنات کے گھٹیا اور جاہل ترین افراد ہیں، جو فسق و فجور میں لت پت ہیں۔ ان میں سے بظاہر قدرے بہتر وہ لوگ ہیں جو اسلامی جماعتوں کی طرف نسبت رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مصلحین ہیں لیکن

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (البقرہ:۲۱)

"سن لو! یہی لوگ مفسدین ہیں لیکن انہیں شعور نہیں"۔

اے جمہوری اسلام کی دعوت دینے والو! اللہ تعالیٰ ہم سے صرف یہ نہیں چاہتا کہ ہم شراب نوشی سے احتراز کریں، فواحش سے بچیں اور سود سے دور رہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم ان منکرات سے پرہیز کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکاماتِ تحریمی کو اللہ کا حکم سمجھ کر انہیں تسلیم کریں اور برضا و رغبت ان کے سامنے خود کو جھکا لیں۔ بصورتِ دیگر میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی ملک میں اسلام کے تمام ظاہری احکامات اس بنیاد پر نافذ کر دیے جائیں کہ پارلیمنٹ نے انہیں منظور کیا ہے اور انہیں محترم قانون کا درجہ دیا ہے نہ کہ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان شرعی احکام کا درجہ بھی باقی دنیاوی قوانین جیسا ہی کہلائے گا۔ کیونکہ شریعت تو لوگوں سے پوچھ کر نافذ نہیں کی جاتی اور جو چیز لوگوں سے پوچھ کر نافذ کی جائے وہ شریعت نہیں ہوتی۔ یہ تو پارلیمنٹ نامی ایک بولنے والے بت اور معبود کی طرف سے نازل کردہ احکام ہیں۔ تباہی اور ہلاکت ہو اس بت کے لیے بھی اور اس کے نافذ کردہ قانون کے لیے بھی۔ اسلامی جمہوریت کے دعوے داروں کو یہاں رک کر جائزہ لینا چاہیے کہ وہ خود کو کن تباہ کن گھاٹیوں میں گرا چکے ہیں؟ اور اپنے اپنے علاقوں کے مسلمانوں کو کس طرح کی پرفتن کفریہ راہوں کی طرف دھکیل کر انہیں گمراہ کرتے اور ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں؟ انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں حق و باطل کے مابین تطبیق و موافقت اور آمیزش کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک طرف تو واضح اور روشن اسلام ہے جس میں قلب و نظر اور اعضا و جوارح اللہ تعالیٰ کے لیے مطیع ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف دینِ جمہوریت ہے جس میں انسانوں کی حاکمیت اور شیطان کی عبادت ہے۔ لوگوں کی مرضی ہے کہ جس راہ کو پسند کریں سو اختیار کر لیں البتہ قیامت کے دن ہونے والے اس سوال کے جواب کے لیے تیار رہیں:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یٰس:۶۱-۶۰)

اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت مت کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے

ثانیاً: ہر مسلمان کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ ایمان کا پہلا اور عظیم ترین رکن، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور اس ایمان میں توحیدِ الوہیت، توحیدِ ربوبیت اور اللہ کے اسماء و صفات پر ایمان لانا شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ قطعی طور پر ایمان رکھے کہ حلال و حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس حق میں کسی کو کسی قسم کے مناقشے اور بحث کا اختیار حاصل نہیں کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی حلال یا حرام قرار دے... یہ اختیار صرف اللہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یونس:۹۵)

"آپ کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام اور (بعض کو) حلال ٹھہرایا، پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ کا یہ حق (حقِ تشریع) کسی غیر اللہ کو دینا کفرِ اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ کے ماسوا کی تشریع (قانون سازی) کو مانتے ہوئے اس کے ٹھہرائے ہوئے حلال و حرام کی پیروی کرے اور اسے حلال اور حرام جانے تو وہ مشرک ہے جس کا فرض مقبول ہے اور نہ نفل... یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور توحیدِ خالص کی طرف رجوع کر لے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ حقِ تشریع کسی فرد کو دیا جا رہا ہو یا کسی پارٹی، قبیلے، پارلیمان یا عوام کو۔ اسلام نے اس حقیقت کو انتہائی دوٹوک اور واضح انداز میں ثابت کیا ہے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک یا تذبذب کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ یہ تمام کائنات اللہ کی مخلوق و ملکیت ہے اور وہی رب العالمین ہے۔ لہٰذا کسی کو حق نہیں کہ اس کی ملکیت میں اپنا حکم چلائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف:۵۴)

سن لو کہ تمام مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کے ساتھ خاص ہے'
اللہ رب العالمین بہت برکت والا ہے۔

یہ تو دین اسلام کی ایک مسلمہ حقیقت ہے جب کہ اس کے مقابلے میں جمہوریت کی بنیادی اساس ہی اسلام سے متصادم ہے، کیونکہ جمہوریت میں قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کی بجائے انتہائی احترام و تقدیس کے ساتھ عوام اور عوامی نمائندگان کو سونپ دیا گیا ہے۔ لہٰذا دینِ جمہوریت میں حلال وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حلال قرار دیں اور حرام وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حرام ٹھہرائیں۔ اچھا وہ ہے جسے یہ اچھا کہیں اور برا وہ ہے جسے یہ برا کہیں۔ قانون وہی ہو گا جسے یہ پسند کریں اور شریعت وہی کہلائے گی جو اِن کی منظور کردہ ہو۔ کسی دین، شریعت یا قانون کی اس وقت تک کوئی حیثیت نہ ہو گی جب تک پارلیمنٹ اس کی توثیق نہ کرے۔ یہ ایسا واضح ارتداد ہے جس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

"جب کوئی انسان کسی ایسے حرام کو حلال ٹھہرائے... یا کسی ایسے حلال کو حرام قرار دے... یا کسی ایسے شرعی امر کو تبدیل کر دے، جن پر اجماع ہو تو وہ بالاتفاقِ فقہا کافر و مرتد قرار پائے گا"۔

لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ پارلیمنٹ کا صحیح اور درست نام مجلس ارباب ہو گا۔ کیونکہ ایسی مجالس سے تشابہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (التوبہ: ۳۱)

"انہوں نے اپنے علما درویش اور مسیح بن مریم علیہ السلام کو اللہ کے سوا رب بنالیا، حالانکہ انہیں تو اسی بات کا حکم تھا کہ معبود واحد کی عبادت کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے"۔

ہائے عجب! کہ گمراہی اپنے ماننے والوں کو کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ احبار و رھبان کو اس لیے ارباب من دون اللہ کہا گیا کہ اہلِ کتاب ان کی اتباع کرتے تھے باوجود اس کے کہ وہ اللہ کے حلال کردہ کو حرام اور اللہ کے حرام کردہ کو حلال بتلاتے تھے۔ حالانکہ احبار تو ان کے علما تھے اور رہبان تو ان کے عابد و زاہد لوگ تھے اور وہ یہ سب کچھ اللہ کے نام پر کرتے تھے، دین کا سہارا لے کر احکام شریعت کو بدلتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ کے پسند کردہ احکام ہیں۔ جب اُن کا حکم یہ ہے تو عصرِ حاضر کے اربابِ پارلیمنٹ جن کی غالب اکثریت سیکولر، بے دین ملحدین اور فاسق و فاجر لوگوں پر مشتمل ہے، ان پر کیا حکم لگے گا؟ وہ علما اور درویش تو دین کی محبت جتلاتے تھے جب کہ یہ لوگ تو صراحت کے ساتھ دین سے دشمنی و بیزاری کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ عمل کے اعتبار سے احبار و رہبان اور ارکانِ پارلیمنٹ کا حال ایک سا ہے۔ وہ بھی اپنی مرضی سے حلال و حرام کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور یہ بھی اپنی خواہشات اور آرا سے ایسا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ دین کا نام استعمال کرتے تھے اور یہ صرف رائے، خواہش، جہل مرکب سے، بلکہ قصداً دین کی مخالفت اور اس سے تصادم کی بنیاد پر قانون سازی کرتے ہیں۔ اگر آپ عقل و شعور رکھتے ہیں تو بھلا بتلائیے کہ کون سا گروہ زیادہ بڑا مجرم اور قابلِ مذمت ہے؟

عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ التوبہ کی تلاوت فرما رہے تھے، یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

"انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا رب بنالیا"۔

سیدنا عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ان کو رب تو نہیں بنایا تھا"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیوں نہیں؟... کیا جب وہ کسی حرام چیز کو تمہارے لیے حلال قرار دیتے تو تم اسے حلال نہ جانتے تھے؟ اور جب وہ اللہ کی حلال کردہ کسی چیز کو تمہارے لیے حرام ٹھہراتے تو تم اسے حرام نہ سمجھتے تھے"؟ میں نے کہا: "جی ہاں"... تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہی تو ان کی عبادت ہے"۔

اور ممکن ہے کہ وہ علما اور درویش خود کو حلال و حرام کا فیصلہ کرنے والا نہ سمجھتے ہوں البتہ چند چیزوں میں عملاً انہوں نے ایسا کیا ہو۔ لیکن آج کل اہلیانِ پارلیمان تو پوری صراحت و جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں ہر قسم کی قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ بلکہ یہ ان کی اولین ذمہ داری ہے۔ جب کوئی شخص منتخب ہو کر ایوان میں داخل ہو گیا تو گویا اسے ربّ کی صفات حاصل ہو گئیں، اس کی رائے مقدّم ٹھہری، فکر کو تقدّس حاصل ہوا۔ اب اسے مکمل آزادی اور تحفظ حاصل ہے کہ اپنی خواہش اور رائے کے مطابق فیصلہ دے اور اپنی مرضی سے کوئی قانون تجویز کرے۔ جب تک وہ پارلیمنٹ کی چھت تلے موجود ہے تب تک اس کا محاسبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ واضح کفر اور صریح شرک ہے، خواہ وہ عملاً کوئی قانون سازی کرے یا نہ کرے۔ جس طرح عملاً خود ساختہ قانون سازی کرنا شرک ہے، اسی طرح اس کا حق اللہ کے سوا کسی دوسرے کو دینا بھی شرک ہے۔ یہ ربوبیت میں شرک کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ: ۲۱)

"کیا ان کے کوئی شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا"۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام:۱۲۱)

”اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے“

اے اسلامی جمہوریت کی دعوت دینے والو! تمہیں کس نے اس باطل کی طرف دعوت دینے کا حق دیا ہے؟ جس چیز کی دعوت تم دیتے ہو وہ دینِ اسلام کے ساتھ کیوں کر مجتمع ہو سکتی ہے؟ دینِ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ رب العزت حرام ٹھہرائے نہ کہ پارلیمان۔ اور دین وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا نہ کہ پارلیمان نے۔ اور سزا کا حقدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ورزی کرے نہ کہ وہ جو پارلیمان کی حکم عدولی کرے۔ حقیقتاً آپ لوگ یہ دعویٰ تو رکھتے ہیں کہ آپ کی دعوت اسلام کی دعوت ہے اور آپ کا راستہ سیدھا... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ مگر پھر آپ اپنے اس دعوے کو ملیامیٹ کرتے ہوئے لوگوں کو جمہوریت کی طرف بلاتے اور پارلیمنٹ کی طرف لے جاتے ہیں اور پارلیمنٹ کی بالادستی اور تقدس کے گن گا کر لوگوں کے دلوں میں اس جدید بت کی محبت اور عقیدت راسخ کرتے ہیں۔ آپ کی مثال تو اس عورت کی طرح ہے جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اسے ریزہ ریزہ کر دے۔

آپ ایک طرف توحید کی دعوت دیتے ہیں جب کہ دوسری جانب اسی توحید کو منہدم کر رہے ہیں؟ رحمن کی شریعت کو نافذ کرنے کی یہ کیسی جدوجہد ہے کہ جس میں عملی طور پر شیطان کی شریعت کو بالادست اور مقدس بنانے کے لیے کوشش کی جاتی ہو؟ پارلیمنٹ کے خود ساختہ قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے اولین خدمت گارانِ جمہوریت بھلا کیوں کر لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں؟ عصر حاضر کے صنم اکبر کو تعمیر کرکے اور اپنی جماعتوں کے افراد کو اس جمہوری بت کدے میں بٹھا کر آپ اپنے اسلاف کی مانند بت شکنی کس طرح کر سکتے ہیں؟ اور کس طرح آپ دعوت الی القرآن کا دعویٰ کرتے ہیں جو طاغوت سے کفر اور ایک اللہ پر ایمان کا حکم دیتا ہے جب کہ، آپ اسی طاغوت پر ایمان لانے اور اس کے علمبرداروں کی تعظیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:۳۔۲)

”اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کرتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے؟ کتنا ناپسندیدہ ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جس پر تم عمل نہیں کرتے“

أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ أَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ (البقرۃ: ۴۴)

”بھلا تم لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، سو تم عقل کیوں نہیں کرتے“۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِن دُوْنِ اللّٰهِ وَلَـٰكِن كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّيْنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران: ۷۹۔۸۰)

”کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ یہ کہ تم ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔ اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے“۔

اس سارے معاملے کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں، اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تلبیس اور دھوکہ دہی کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر جمہوریت جیسی فضول چیزوں کے ذریعے اور فقط نعرے لگانے سے اسلام کا قیام ممکن ہوتا تو پھر انبیاء و رسل علیہم السلام کو اپنی جان جوکھوں میں نہ ڈالنی پڑتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ (الانعام: ۳۴)

”اور تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے، تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی، اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں اور تم کو پیغمبروں کی خبریں پہنچ چکی ہیں“۔

ہمارے رب کی کتاب حکیم تو ہمیں یہ کہتی ہے کہ:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام:۱۲۱)

”اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے اور شیاطین اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے“۔

اس کے برعکس جمہوریت کا مطالبہ ہے کہ پارلیمنٹ سے منظور شدہ قوانین کی بالادستی قبول کرو، ان کی اطاعت کرو اور انہیں مقدس و محترم جانو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم پر کوئی ملامت یا مواخذہ نہیں بلکہ یہی عین مصلحت ہوگی۔ گویا پارلیمنٹ کی کامل اطاعت کریں گے تو دین جمہوریت کے مطابق آپ موحدین میں شمار ہو جائیں گے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ بعض کفار نے مسلمانوں سے بحث کرتے ہوئے یہ شبہ پیش کیا کہ تمہارا زعم ہے کہ تم اللہ کی رضا جوئی چاہتے ہو حالانکہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ ذبح کر دے (یعنی خود مر جائے) اسے نہیں کھاتے اور جسے تم خود ذبح کرتے ہو اسے کھاتے ہو؟ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ

''اگر تم نے ان کی اطاعت کی (یعنی مردار کھایا) تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے''۔

یہ تو ایک مشتبہ قسم کی بات تھی جو شیاطین نے اپنے دوستوں کو سمجھائی اور ان مشرکین نے پیش کی، اور اس بات کا تعلق بھی فقط ایک مسئلے یعنی مردار کی حلّت سے تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی اس معاملے کو معمولی خیال کرے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اگر تم نے ان کا کہا مانا اور مردار کو حلال سمجھنے میں ان کی پیروی کی تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔ تو پھر آخر ان اسمبلیوں کی پیروی کرنے والے کو کیا کہا جائے گا جن کا قیام ہی حلال و حرام کا فیصلہ کرنے اور خود ساختہ قانون سازی کرنے کے لیے عمل میں آیا ہے۔ یہ اسمبلیاں اپنے ہی بنائے ہوئے دستور کے سوا کسی بات کی پابند نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو جاہل و سادہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ہی سہی... اپنے بنائے ہوئے قوانین اور حلال و حرام کے فیصلوں کا شریعت سے ناتا جوڑنے کی زحمت تک نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں شریعت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اپنی خواہشات کو قوم کی مصلحت کے نام دیتے ہیں اور پھر اس کے مطابق قانون سازی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اقتصادی مصلحت کے نام پر سود کو حلال کرتے ہیں، شخصی آزادی کے نام پر زنا و فواحش کے اجازت نامے جاری کرتے ہیں اور سیاحت و ترقی کے نام پر شراب و کباب کو مباح گردانتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ ایک معلوم شدہ امر ہے کے دینِ اسلام میں شراب قطعاً حرام ہے، لیکن اگر کوئی احمق رکن پارلیمان یہ قرارداد پیش کرتا ہے کہ ایک دو سال یا پھر ہمیشہ کے لیے شراب کی خرید و فروخت سے پابندی اٹھائی جائے تاکہ ملک میں اقتصادی ترقی ہو اور سیاحوں کے لیے کشش و سہولت پیدا ہو تو اس احمق پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ اس ''عظیم اقتصادی بل'' کو اپنے نفاذ کے لیے صرف اکثریت درکار ہوگی۔ اور اگر پارلیمنٹ کی اکثریت اس کی توثیق کر دے تو پھر شراب کی خرید و فروخت مباح ہوگی اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ اس کا انکار کرے بلکہ جو اس کی مخالفت کرے گا اس پر فردِ جرم عائد ہوگی اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

ارکان پارلیمنٹ میں سے اگر کوئی ہم جنس پرستی کا دلدادہ ہے اور اسے قانونی جواز مہیا کر کے اپنے اور اپنے جیسے دوسرے بدمعاشوں کو سہولت دینا چاہتا ہے تو اسے بھی بل پیش کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح سودی لین دین کرنے والی بڑی کاروباری مچھلیاں اپنی پسند کی سودی اصلاحات کے نفاذ کے لیے قانون سازی کروا سکتی ہیں، شراب و کباب کے رسیا بھی اسمبلی سے ریلیف حاصل کرنے کے لیے بل پیش کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہیجڑے بھی اپنی تنظیمیں بنا کر ہیجڑا سازی کے کاروبار کو قانونی جواز عطا کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ صرف ایک ہی شرط ہے کہ وہ دستور کے مخالف نہ ہو، جب کہ اسلام کے مخالف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے بعد اگر پارلیمنٹ کی اکثریت چاہے تو ان تمام قراردادوں اور مطالبات کو منظور کر کے انہیں جواز مہیا کر سکتی ہے اور اس کے بعد تمام لوگوں پر انہیں تسلیم کرنا اور ان کا احترام کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ قانون جو پارلیمنٹ سے منظور ہو جائے... اگرچہ کہ وہ شریعت سے کلی طور پر متصادم ہی کیوں نہ ہو... دینِ جمہوریت میں اسے ہر طرح کا تحفّظ اور تقدّس حاصل ہوگا کیونکہ پارلیمنٹ کی بالادستی اِس کے نزدیک ہر قسم کی حاکمیت سے بالاتر ہے۔

ثالثاً: دین اسلام میں کسی چیز پر یہ حکم لگانا کہ یہ حق ہے یا باطل، جائز ہے یا ناجائز، حرام ہے یا حلال... اُس دلیلِ شرعی کی بنیاد پر ہوتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے، جب کہ اجماع و قیاس بھی اسی کے تابع اور اسی سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ایسے احکام کا ثبوت محض عقل، ذوق، رغبت، صلاحیت یا تجربہ پر مبنی نہیں ہوتا۔ حق تو وہ ہے جو خالص اور پاکیزہ آسمانی احکام پر مبنی ہو۔ یہ کسی گروہ یا جماعت کی ملکیت نہیں خواہ وہ کیسے ہی اوصاف کے حامل کیوں نہ ہوں، چاہے وہ سیاست سے متعلق ہوں، چاہے اکثریت کے حامل ہوں، چاہے عربی ہوں اور چاہے عجمی۔ وہ صرف اس وجہ سے حق ہے کہ شریعت نے اسے حق کہا ہے۔ اور جو باطل ہے وہ اس لیے باطل ہے کہ شریعت اسے باطل قرار دیتی ہے۔ اگر آسمانوں اور زمینوں کے تمام لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ شریعت سے ثابت شدہ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حق، حق ہی رہے گا اور باطل، باطل ہی کہلائے گا۔ ہدایت کو ہدایت ہی کہا جائے گا اور گمراہی، گمراہی ہی قرار پائے گی۔ جب کہ لوگوں کی قیاس آرائیوں اور اٹکل کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ بات اسلام سے ثابت ہے اور یہ عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اس کے برعکس دینِ جمہوریت میں کسی چیز کے صحیح یا باطل ہونے پر اور اس کے حسن و قبح پر حکم لگانا پارلیمنٹ کی غالب اکثریت کا حق ہے۔

☆☆☆☆☆

پاکستان، مسائل اور حل

استاد احمد فاروق رحمہ اللہ کا اہلِ پاکستان کے نام پیغام

مئی ۲۰۱۳ء میں ہونے والے عام انتخابات کے موقع پر شہید عالمِ ربانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ نے اپنے پاکستانی مسلمان بھائیوں کے نام یہ پیغام جاری کیا…اس پیغام میں حضرتِ استاد رحمہ اللہ نے مسائل وآلام میں پسے اس خطے کے مسلمانوں کو انتہائی دردمندی سے مخاطب کیا، اُن کی پریشانیوں اور مصائب کے اسباب وعوامل کا تذکرہ کیا، یہاں کے اہلِ اسلام کی زندگیاں تنگ کر دینے اور اُنہیں دنیاوآخرت کی فلاح سے کر کے ذہنی، فکری، معاشی، معاشرتی اور علمی وعملی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دینے والے طبقہ مُترفین کے مکروہ کردار کو بھی بیان کیا اوراس ذلتوں بھری زندگی سے نجات پانے کی سبیل بھی واضح کی… آج پانچ سال بعد ہمارے مسلمان پاکستانی بھائیوں کی حالت 'سنبھلنے کی بجائے مزید دگرگوں ہے۔ ایسے میں استاد احمد فاروق رحمہ اللہ کا پیغام دوبارہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے… جنتوں کا مسافر یہ شہید عالم ربانی ہم سب سے مخاطب ہے اور ہماری بھلائی اور فلاح کی پکار لگارہا ہے! اس پکا کو سنئے کہ یہی اسی میں قوم کی دنیوی واخروی نجات کا پیغام ہے! [ادارہ]

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ وذریتہٖ اجمعین ،اما بعد

سرزمین پاکستان پر بسنے والے میرے بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ حقیقت یقیناآپ سے پوشیدہ نہیں کہ ہماراملک آج اپنی تاریخ کے نہایت نازک مرحلے سے گزررہاہے۔ ملکی معیشت تباہ ہوچکی ہے، عوام مہنگائی اور بے روزگاری کے ہاتھوں خودکشیوں پر مجبور ہیں، گیس، بجلی اور پانی جیسی بنیادی ضروریات زندگی کا حصول بھی مشکل ہوگیاہے۔ کرپشن اور بدعنوانی کے ذریعے اس زمین کے قیمتی وسائل لوٹے اور بیرون ملک منتقل کیے جارہے ہیں… ملکی آزادی وخودمختاری ہرروز امریکی ڈرون حملوں کے ذریعے پامال ہورہی ہے… بدامنی عام ہوگئی ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے خود چوری، ڈاکوں، بدکاری اور منشیات کی خریدوفروخت جیسے جرائم کی سرپرستی کررہے ہیں… ملک کے خفیہ ادارے اپنے ہی شہریوں کی جاسوسی کرنے، اُنہیں اغواکرنے اور اُن کی مسخ شدہ لاشیں بیابانوں ویرانوں میں پھینکنے میں مصروف ہیں… برّی اور فضائی افواج کی قیادت فخر یہ اعلان کررہی ہے کہ اُس نے بھارت کے خطرے سے منہ پھیر کر اب اپنی ہی آبادی کے خلاف جنگ کرنے کو اپنی اولین ترجیح بنا لیا ہے… ملک امریکی کالونی بن چکا ہے… اورامریکی خفیہ ایجنسیوں کے کارندے ملک بھر میں دندناتے پھر رہے ہیں…

بلوچستان، قبائلی علاقہ جات، مالاکنڈوسوات اور کراچی سمیت پورا پاکستان ہی میدانِ کارزار بن چکاہے… لادین سیکولر طبقات اپنے کفریہ عقائد اور ملک کو سیکولر بنانے کے عزائم کا کھلم کھلا اظہار کررہے ہیں… اسلام کے نام پر حاصل کردہ پاکستان میں علمائے اسلام غیر محفوظ ہیں… آئے روز ملک کے کسی نہ کسی حصے میں کوئی نہ کوئی ممتاز عالم دین شہید ہورہا ہے… اور تو اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اس پاک سرزمین پر بھی قرآن عظیم الشان اور نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے واقعات معمول بن گئے ہیں اور ان گستاخوں کا ہر بار صاف بچ نکلنا بھی معمول بنتا جارہاہے…

یہ اور ایسے دسیوں ہزار مسائل آج پاکستان کو گھیرے ہوئے ہیں… اور یہ تبصرے اب اکثر ہی سننے کو ملتے ہیں "اگر فلاں کام نہ کیا گیا تو پاکستان تباہ ہو جائے گا، اگر فلاں قدم نہ اٹھایا گیا تو ملک ٹوٹ جائے گا"… یقینا یہ صورت حال اس سرزمین اور اس میں بسنے والے کروڑہا مسلمانوں سے محبت رکھنے والے اوراُن کے غموں کو اپنا غم جاننے والے ہر فرد کے لیے نہایت باعث تشویش ہے…

نااہل شیطانی تکون:

میرے عزیز بھائیو! پاکستان کے موجودہ حالات اوراُس کی ۶۵ سالہ سیاسی تاریخ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ملک کا حکمران طبقہ یعنی سرمایہ دار اور جاگیر دار سیاسی خاندانوں، فوجی جرنیلوں اور بیوروکریٹ افسروں کی شیطانی تکون اس ملک کے معاملات چلانے کے لیے قطعاًنااہل ہے… یہ مفاد پرست ودین بے زار طبقہ ہمیں دنیاو آخرت دونوں کی تباہی کے رستے پر لے جارہاہے… ملکی معاملات ان کے ہاتھ میں چھوڑنے ہی کے سبب مشرقی پاکستان الگ ہوا… اور اب انہی کی حماقتوں اور ظلم وفساد سے باقی ماندہ پاکستان بھی خطرے میں ہے…

ان سے مزید توقعات وابستہ کرنا، پارلیمانی قراردادوں، عدالتی مداخلت یا فوجی انقلاب میں مسائل کا حل تلاش کرتے رہنا اور معاشرے کے مخلص اور صاحب فہم افراد کا بھی یہی روایتی گردان دہرانا یقیناً حقائق سے فرار پر مبنی رویہ ہوگا… یہ علم رکھنے کے باوجود کہ قوت واقتدار کے حامل طبقے کی ترجیحات ہی مختلف ہیں، وہ اس بنیادی اہلیت ہی سے عاری ہیں جو ان مسائل کو حل کرنے کے لیے مطلوب ہے… بلکہ وہ تو خود تمام مسائل کی جڑ ہیں… اس سب کے باوجود انہی کی طرف امید کی نگاہوں سے دیکھنا درحقیقت سراب کو سراب جاننے کے بعد بھی اس تمنا میں اُس کے پیچھے دوڑتے رہنے کے مترادف ہے کہ شاید یہ سراب کبھی پانی میں بدل جائے… یقینا یہ رویہ کسی صاحب ایمان اور صاحب عقل کو زیب نہیں دیتا…

آیئے! اس تلخ مگر ناقابل تردید حقیقت کا سامنا کریں کہ ہم بحیثیت قوم تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں یا شاید تباہی کے گڑھے میں گر چکے ہیں اور افسوس کہ جن کے ہاتھ میں ۶۵ سال سے قیادت و رہبری ہے، وہی اس تباہی کے ذمہ دار ہیں... یہ صورت حال اس ملک کے سنجیدہ اور دردِ دل رکھنے والے لوگوں پر ذمہ داری کا بھاری بوجھ عائد کرتی ہے... اب مزید انتظار و تاخیر کا وقت نہیں، ورنہ حالات ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے جہاں سے واپسی ناممکن ہو گی... اس ملک کے اہل علم و نظر، اہل صدق و اخلاص حضرات پر لازم ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں، مجتمع ہوں اور بلا تاخیر قوم کی رہ نمائی کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کریں... بلاشبہ یہ معمول کی زندگی گزارتے رہنے اور روزمرہ مصروفیات میں مشغول رہنے کا وقت نہیں... عوام کسی رہبر کے متلاشی ہیں اور کسی صالح اور قابل اعتماد قیادت کے منتظر ہیں...

حقیقی قیادت کا اہل کون...؟

میں اس موقع پر بالخصوص اس ملک کے علمائے حق سے درخواست کروں گا... وہ اس قوم کی کشتی کو منجدھار سے نکالنے کے لیے آگے بڑھیں... اس سے قبل کہ کوئی اور مداری اور دھوکے باز آگے بڑھے اور حکمرانوں سے بے زار اور حالات سے تنگ عوام کو کسی ایسی سمت میں لے جائے جو اس قوم کو ایک نئی منجدھار میں پھنسانے کا باعث ہو... بلاشبہ اس مرحلے پر بھی فساق و فجار اور بدطینت افراد کے ہاتھوں میں قیادت چھوڑ دینا، اس خطے کے لیے اور اس میں اسلام اور اہل اسلام کے مستقبل کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے... یہ تو دشمنانِ دین کی دلی تمنائیں پوری کرنے کا باعث ہو گا... اقبال نے شیطان اور اُس کے چیلوں کی اسی تمنا کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے...

؎ تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

اور کہتے ہیں کہ

؎ ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

میرے محترم علمائے کرام او راساتذہ عظام! یقیناً حق گو علما ہی مسلم معاشرے کی حقیقی قیادت ہیں... استعماری طاقتوں نے ان سے یہ مقامِ قیادت بزور قوت چھینا تھا... لیکن اب اس نازک مقام کو دوبارہ سنبھالنے کا وقت آ چکا ہے اور اس کے بھاری تقاضے پورے کرنا ایک شرعی فریضہ بن چکا ہے... جس طرح لوگوں کے شخصی معاملات میں آپ حضرات اُنہیں دین کا حکم بتاتے ہیں، اسی طرح ان کے اجتماعی امور میں بھی آپ ہی نے انہیں اسلام کی مبارک تعلیمات کی روشنی میں لے کر چلنا ہے...

میرے محترم علمائے کرام او راساتذہ عظام! اللہ رب العزت نے آپ حضرات کو کتاب و سنت کا وہ مبارک علم دیا ہے جس کی روشنی اندھیری راتوں میں بھی راہ دکھاتی ہے... بلاخیز طوفانوں میں بھی منزل پر پہنچاتی ہے... اس ملک کے افق پر چھائے گہرے بادل بھی اسی علم کے نور سے چھَٹ سکتے ہیں... میرے محترم علمائے کرام او راساتذہ عظام! اللہ رب العزت نے آپ حضرات کو وہ لاکھوں طلبہ و متبعین دیے ہیں جو آپ کے حکم پر اس دین کی خاطر سر تک کٹانے پر تیار ہیں... ابھی چند دن قبل ہی کراچی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے موقع پر مولانا عثمان صاحب نے فرمایا تھا:

> "اس وقت پاکستان میں وفاق المدارس کے ۳۵ لاکھ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور ہزاروں کی تعداد میں مدارس ہیں... ایسا نہیں ہے کہ یہ ۳۵ لاکھ طلبہ آسمان سے اترے ہیں یا زمین سے نکلے ہیں، ان کے خاندان ہیں، گھر بار ہیں... کروڑوں میں یہ تعداد پہنچتی ہے... کیا حکومت ہمیں مجبور کرنا چاہتی ہے کہ ہم اس پبلک کو سڑکوں پر نکالیں؟"۔

میرے محترم و محبوب علمائے کرام! اب وقت آگیا ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس خطے کو تباہی سے بچانے کے لیے یہ قوت بروئے کار لائی جائے... قدم بڑھایئے، قوم کی رہ نمائی کیجیے، شریعت کی روشنی میں ایک واضح لائحہ عمل دیجیے... ان شاء اللہ اس ملک کے عوام آپ کے ساتھ ہوں گے اور آپ اپنے مجاہد بیٹوں کو بھی ہر قدم پر اپنا دست و بازو پائیں گے... ابھی کچھ عرصہ قبل ہی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس قوم نے گستاخانہ فلم کے خلاف احتجاج کے موقع پر کس طرح ایک دن میں بیس سے زائد جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اپنی نبی علیہ صلوۃ اللہ وتسلیمہ کی محبت سے سرشار ہو کر ہر قربانی دینے کے لیے نکل آئی۔

یہ واقعہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی دلیل ہے کہ مغرب اور اُس کے آلہ کاروں کی ساری مذموم کوششوں کے باوجود، اُن کے سارے پروپیگنڈے اور گمراہ کرنے کی ساری سازشوں کے باوجود، یہ قوم اپنے دین کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہے اور اس کی خاطر قربانی دینے سے لحہ بھر نہیں جھجکتی... مسئلہ قیادت کے فقدان کا ہے... پس آگے بڑھیے، اللہ آپ کو قوت بخشے، آپ کے اقدامات میں برکت عطا فرمائے، آپ اس امت کا دل ہیں، آپ کی زندگی و حرکت سے امت کی زندگی و موت کا براہ راست تعلق ہے

؎ گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب

دیں بندۂ مومن کے لیے موت ہے یا خواب

میں اس موقع پر اس ملک کے غیور عوام اور معاشرے کے تمام موثر طبقات سے بھی یہ اپیل کروں گا کہ وہ اہل حق علما کے گرد اکٹھے ہوں... اللہ رب العزت اپنی پاک کتاب میں حکم فرماتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللّهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِيْ الأَمْرِ مِنكُمْ

(النساء:۵۹)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر کی اطاعت کرو"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد ہمیں اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے... اورامام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین ومفسرین کرام نے ذکر کیا ہے کہ یہاں اولوالامر سے مراد ہے دین کا علم و فہم رکھنے والے افراد... پس میں اس ملک کے عوام وخواص سے، ملکی حالات پر کڑھنے اور دردِ دل رکھنے والے ہر فرد سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ علمائے حق کے گرد اکٹھے ہوں ،علما کے دست وبازو بنیں، مساجد کو اپنا بنیادی مورچہ بنائیں اور ایک ملک گیر عوامی تحریک کی بناڈالیں جو اس ملک کو ان مسائل سے نجات دلانے پر منتج ہو جس میں آج یہ مبتلا ہے...

مسائل کا حل:

میں اس ملک کے تمام اُن افراد سے جو اس قوم کا غم کھاتے ہیں اور حالات کو بدلنے کے لیے درکار جذبہ عمل اور غیرت وحمیت رکھتے ہیں، یہ درخواست کروں گا کہ وہ یہ یقین اپنے سینوں میں راسخ کرلیں کہ ہمارے تمام مسائل کا حل شریعت پر عمل کرنے اور اسے غالب و حاکم بنانے میں پوشیدہ ہے فرنگی سامراج کی مسلط کردہ جمہوریت اور امریکی سامراج کے وفادار جرنیلوں کی آمریت ہم بہت بھگت چکے... اس دھرتی کے سارے وسائل یہ بدبخت نظام چوس گئے... ہم نے رب سے منہ پھیرا تو ہماری زمین کی زرخیزی چھن گئی، آسمان نے اپنے خزانے روک لیے... ہم نے دین کے احکامات پامال کیے تو ہم اللہ جل جلالہ کی رحمت سے محروم ہوگئے... ایسا کیوں نہ ہو جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مسائل کے سبب کی واضح نشان دہی کرتے ہوئے فرمادیا:

وما حكموا بغير ماانزل الله الا فشا فيهم االفقر

"اور جب بھی کوئی قوم اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرے گی تو اُس میں فقر وفاقہ پھیل جائے گا"۔

جب کہ ایک اور حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ

اذاظهرالزناوالربا فى قرية فقد احلوابانفسهم عذاب الله

"جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جائے تو وہ خود کو اللہ کے عذاب کا حق دار بنا لیتے ہیں"۔

پس شریعت کا نفاذ ہی ہمارے مسائل کا حل ہے، ہمارے دکھوں کا مداوا ہے، ہمارے رب کی رضا، دنیا میں اُس کی تائید ونصرت اور آخرت میں اُس کی جنتوں کے حصول کا واحد رستہ ہے... بندۂ فقیر کی نگاہ میں شریعت کے نفاذ کی سمت چند بنیادی عملی اقدامات یہ ہو سکتے ہیں:

1) موجودہ فاسد سیاسی وفوجی قیادتوں کی بجائے ربانی علما کے گرد اکٹھا ہوا جائے۔

2) معاشرے کے صالح بااثر افراد وطبقات دشمن کی سازشوں اور ہر قسم کے دباؤ کے مقابلے میں علما کو قوت بخشیں، ان کی پشت پر کھڑے ہوں اور ان کی حفاظت وحمایت کریں تاکہ وہ آزادانہ کلمۂ حق کہہ سکیں۔

3) معاشرہ اپنے باہمی فیصلوں اور تنازعات کے حال کے لیے تھانہ کچہری کے متعفن، کرپٹ اور باطل نظام کی جگہ دارہائے افتاء کی طرف رجوع کرے، علمائے کرام دار الافتاء میں شرعی دارالقضا بھی قائم کریں اور یوں محلوں، قصبوں اور شہروں کی سطح پر نفاذ شریعت کا عملی آغاز کیا جائے۔

4) دین سے محبت کرنے والے نوجوانوں پر مشتمل ایسے گروپس تشکیل دیے جائیں جو علمائے کرام کی رہ نمائی میں اپنے محلوں اور علاقوں کی سطح پر منکرات کے خاتمے اور کمزوروں ومظلوموں کی مدد کا فرض سرانجام دیں۔

5) ملک بھر کے باحمیت اور حق گو علما اکٹھے ہو کر ملکی سطح پر، تمام شعبہ ہائے زندگی میں شریعت کے جامع اور مکمل نفاذ کا مطالبہ کریں اور یہ نفاذ، دین سے جاہل اور سورہ اخلاص پڑھنے کی صلاحیت سے بھی عاری ممبران پارلیمان کی بجائے ملک کے جید علما کی رہ نمائی میں انجام پائے۔

6) ملک بھر کے اہل حق علما ملک سے امریکی نفوذ کے مکمل خاتمے اور پاکستانی سرزمین سے افغانستان پر قابض امریکی افواج کے ساتھ کیے جانے والا ہر قسم کا تعاون رکوانے کے لیے مضبوط ومتفقہ موقف اختیار کریں۔

میری رائے میں یہی اقدامات اس قوم کو مسائل کی دلدل سے نکالنے، رب کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور ملک کو ٹوٹنے یا بھارت اور امریکہ کا براہ راست غلام بننے سے بچانے کی واحد سبیل ہیں...

اپنی بات سمیٹنے سے قبل میں قبائل کے غیور عوام سے بھی اپیل کروں گا کہ وہ حالات کی نزاکت کا ادراک کریں اور دشمنوں کی سازشیں سمجھنے کی کوشش کریں...دنیا بھر کی دین دشمن قوتیں قبائلی عوام کا اسلام سے والہانہ لگاؤ دیکھ چکی ہیں اور قبائلی علاقہ جات کو اپنے مذموم مقاصد میں حائل ایک اساسی رکاوٹ سمجھتی ہیں... تبھی آج ہر ترغیبی و ترھیبی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے اس خطے کے عوام کو جھکانے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے...ایک طرف تو قبائل کو جمہوریت کا تحفہ دینے کے وعدے کیے جا رہے ہیں، گویا کہ جمہوریت کوئی بڑی اعلیٰ وارفع شے ہو... وہی جمہوریت جس نے ملک کے بندوبستی علاقوں میں رہنے والوں کا نہ دین سلامت چھوڑا اور نہ ہی دنیا اور ملک کو اس بھیانک صورت حال سے دوچار کیا...قبائل کو بھی وہی گھٹیا نظام دینے کی نوید سنائی جا رہی ہے۔دوسری جانب قبائلی عوام کے بے رحمانہ قتل اور ان کے گھروں کی حرمت پامال کرنے کا سلسلہ بھی بلاناغہ جاری ہے...چند دن قبل ہی خیبر ایجنسی کے علاقہ باڑہ میں فوج نے گھروں میں گھس کر اٹھارہ عام شہریوں حتیٰ کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں تک کو جس بہیمانہ انداز سے شہید کیا... اُس نے ہر مسلمان کو ہلا کر رکھ دیا...پھر ان شہدا کی لاشوں سمیت پشاور میں احتجاج کرنے والوں پر پولیس نے جس طرح گولیاں برسائیں اور درجن بھر لوگوں کو زخمی کیا، وہ قبائلی عوام کو یہ سمجھانے کے لیے کافی ہونا چاہیے کہ ملک کا مقتدر طبقہ اور سیکورٹی ادارے قبائلی عوام کے ساتھ اُسی متکبرانہ انداز میں معاملہ کر رہے ہیں جو اُنہوں نے اپنے فرنگی آقا سے سیکھا ہے۔ یہ بدبخت حکمران اس خطے کے لوگوں کو اپنے سے کم تر مخلوق سمجھتے ہیں، ان کے جان ومال کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں اور ان کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں...اسی لیے اب وقت آچکا ہے کہ قبائلی عوام اپنے حقوق لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور قبائلی علماو مشران یک زبان ہو کر شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کریں...یقین رکھیے کہ قبائل کے جملہ دینی و دنیوی مسائل کا حل نہ تو ایف سی آر میں ترمیمات سے ممکن ہے اور نہ ہی جمہوری نظام کے نفاذ سے...اس خطے کی فلاح و کامیابی بس شرعی نظام کے قیام میں پوشیدہ ہے...یہی قبائل کا قدیم اور متفق علیہ مطالبہ ہے...اسی مقصد کی خاطر فقیر ایپی، حاجی ترنگزئی اور امیر نیاز علی خان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے جہاد کیا اور اسی کا حکم ہمیں اللہ جل جلالہ نے دے رکھا ہے...

اللہ پاکستان کو داخلی و خارجی دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ فرمائیں، ہماری محبوب قوم کو اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات عطا فرمائیں اور اس ملک کو شریعت کی بہاریں نصیب فرمادیں...یقیناً اللہ جل شانہ کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں...اور اُس کے مومن بندے اُس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتے!!!

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما

☆☆☆☆☆

ایک اور اہم امر جس پر ہمیں توجہ کی ضرورت ہے وہ استشہادی عملیات کی فقہ 'جسے فقہائے کرام 'قاعدہ تترس' سے موسوم کرتے ہیں' اس کی حدود و قیود کو واضح کرنا ہے۔ ہم اپنے ساتھیوں کے سامنے اس کی تشریح کریں بالخصوص وہ ذمہ داران جو ان کارروائیوں کی منصوبہ بندی اور تنفیذ کرتے ہیں اور وہ فدائیین جو 'ان عملیات میں شریک ہوتے ہیں ان پر ان مسائل کا واضح ہونا بہت ضروری ہے۔ بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ فدائی مجاہد اس حوالے سے لاپرواہ اور لاعلم ہوتے ہیں اور عوام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ بالخصوص ایسے کم سن فدائی جو علم و معرفت سے نابلد ہوتے ہیں اور ان کی کوئی دینی تربیت نہیں ہوتی اور اس سے بھی بڑھ کر وہ خطرناک ہدایات ہوتی ہیں جو انہیں عین موقع پر دی جاتی ہیں جو العیاذ باللہ دین کے مخالف ہوتی ہیں۔ جیسے مجاہدین میں سے بعض لوگ انہیں یہ پڑھا دیتے ہیں کہ "بازاروں میں پھرنے والے عوام چونکہ اہلِ حق اور مجاہدین کی نصرت نہیں کرتے اور طاغوت اور مرتدین کے ساتھ رہنے پر راضی ہیں اس لیے منافق ہیں۔ چنانچہ ان میں سے جتنے بھی مارے جائیں فدائی پر اس کا کوئی وبال نہیں ہو گا اور نہ ہی ان کے خون کے بارے میں اس سے کوئی پوچھ ہو گی"۔ بلاشبہ یہ مطلقاً ایک عظیم خطا، واضح گمراہی ہے اور ایک بڑے فساد کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

بے شک وہ مسلمان ممالک جہاں مرتد حکومتیں قائم ہیں وہاں کی عام آبادی، سڑکوں اور بازاروں میں پھرنے والی عوام بالاصل اور مجموعی طور پر مسلمان ہیں۔ پھر ان میں صالحین اور دیگر آپس میں ملے ہوئے ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو مرتد کافر ہیں اور ان کا خون حلال ہے۔ لیکن مسلمان ممالک میں بسنے والے عوام مجموعی طور پر مسلمان ہیں جو کتاب و سنت اور مسلمانوں کے مشہور مذاہبِ اربعہ کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں اور یہ مسئلہ متعدد کتب اور ابحاث سے ثابت ہے۔ جو کوئی اس کے خلاف کہتا ہے تو وہ یقیناً غلو اور گمراہی کا شکار ہے اور اہلِ علم کی متفقہ رائے کا مخالف ہے۔

مسلمان عوام کے فسق و فجور، کمی و تقصیر یا جہاد کی نصرت سے پیچھے بیٹھ جانے کے باوجود اگر کوئی اوپر بیان کردہ وجوہات کی بنیاد پر جان بوجھ کر ان پر قتل کا حکم لگاتا ہے اور اس زعم میں ہے کہ ان کے خون کے بارے میں اس سے کوئی بازپرس نہیں ہو گی تو وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہے اور علم و فقہ کی حدود سے خارج ہے۔ ایسا شخص حرام کا مرتکب ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ناراضی، غضب اور پکڑ کو دعوت دے رہا ہے۔ وہ اس بات کا حق دار ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کو ناکام کر کے دشمن کو اس پر مسلط فرمادے۔

شہید عالم ربانی شیخ عطیۃ اللہ اللیبی رحمہ اللہ کے "امرائے جہاد کے نام پیغام" سے اقتباس

ووٹ کی شرعی حیثیت.... تصویر کا حقیقی رُخ!

غور و فکر کے نئے زاویے

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شمس الہدیٰ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

ووٹ جمہوری نظام کا اساسی جز اور بنیادی رکن ہے، ووٹ جمہوریت کی تشکیل میں کلیدی عنصر ہے، جمہوری نظام اپنے تمام کل پرزوں کے ساتھ انسانوں کا بنایا ہوا خود ساختہ نظام ہے، نہ کہ اللہ کا نازل کردہ نظام، اس نظام کے کسی جزء کو اپنے دوسرے اجزا سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، اگر کسی عالم سے لغزش ہوئی ہو تو یقیناً وہ اجتہادی خطا کی وجہ سے عنداللہ ماجور ہے، مگر حق واضح ہونے کے بعد اس غلطی پر اصرار انتہائی خطرناک اور موجب غضب الٰہی ہے، (زلة العالِم زلة العالَم)

آیئے! اب جائزہ لیتے ہیں کہ ووٹ کیا ہے؟

ا۔ کہا جاتا ہے کہ ووٹ شہادت ہے ۔ شہادت کی شرعی تعریف فقہانے لکھی ہے "الشهادة اخبار صادق فی مجلس الحكم بلفظ الشهادة" (حاشیۃ ھدایۃ جلد ۳ للعلامۃ اللکھنویؒ) تو شہادت کے لیے درج ذیل چیزیں ضروری ہیں۔

(الف) خبر دینا

(ب) مجلس حکم کا ہونا

(ج) مشہود بہ کا مشاہد اور معین ہونا

(د) لفظ شہادت کا ہونا

جب کہ ووٹ میں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جاتی، ووٹ کسی شخص کے لکھے ہوئے نام کے سامنے بنے ہوئے کسی نشان پر تنہائی میں ٹھپہ لگانے کو کہتے ہیں، تا کہ وہ شخص کسی فورم یا ادارے کا رکن یا سربراہ بن جائے، اور اس کے اندر حکمران بننے یا بنانے کی اہلیت و ولایت پیدا ہو جائے، تو یہ انشاء ہوا نہ کہ اخبار، لہٰذا اس میں نہ تو اخبار ہے نہ مجلس حکم، نہ مشاہدہ و معاینہ، نہ لفظ شہادت، نہ اس شہادت پر مترتب ہونے والی قضائے قاضی۔ یہ تو بات ہوئی ارکان شہادت کی اور 'رُکن کے انتفاء سے اصل شی کا منتفی ہونا' اہل علم کے ہاں مسلم ہے۔ رہیں شہادت کی شروط، تو وہ بھی یہاں نہیں پائی جاتیں، نہ عدد کی حد ہے نہ عدالت کی، مرد عورت، آزاد غلام، فاسق فاجر، چور بدعنوان، زانی ڈاکو، قاتل اور صالح، بلکہ مسلم و کافر حتی کہ عقلمند اور پاگل و بے وقوف سب برابر ہیں۔ خاص طور پر علماء کی توجہ کیلیے عرض کرونگا کہ ووٹ کو شہادت قرار دینا بداہتہً غلط ہے اس لیے کہ شہادت دلالت لفظیہ کے قبیلے سے ہے اور ووٹ دلالت غیر لفظیہ ہے "والشئ لايحتمل ضده" کا قانون مُسلّم بین العقلاء ہے۔

۲۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ سفارش ہے، حالانکہ یہ سفارش بھی نہیں کیونکہ

الف: سفارش کا مطلب تو یہ ہے کہ ووٹر اپنے پسندیدہ امیدوار کو رکن بنانے کی کسی اتھارٹی کو سفارش کرے اور یہاں تو وہ کسی کو سفارش نہیں کر رہا بلکہ اپنا حکم اور فیصلہ صادر کر رہا ہے، کہ میں نے اس شخص کو اپنا نمائندہ اور رکن اسمبلی بنا دیا ہے۔

ب: اگر کسی اتھارٹی کو سفارش ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ اتھارٹی اور حکومت تو ابھی وجود میں ہی نہیں آئی، بلکہ خود اس کا وجود اس رکن کے ووٹ پر موقوف ہے، یہ بھی عقلاً باطل ہے، کیونکہ دور اور "توقف الشئ علی نفسه" کو مستلزم ہے۔

۳۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ مشورہ ہے، درحقیقت یہ مشورہ بھی نہیں، جس کو دیا جا رہا ہے وہ خود ابھی وجود میں نہیں آیا علاوہ ازیں مشورہ کا ماننا لازم نہیں ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں، نیز یہاں مشورہ نہیں بلکہ تعیین اور تقرر ہے۔

۴۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ امانت شرعیہ ہے، مگر یہ بھی ڈھکوسلہ ہے اور حقیقت میں ووٹ امانت بھی نہیں، کہ جب جمہوری نظام ہی خود ساختہ اور غیر شرعی ہے کیونکہ ووٹ کے ذریعہ جمہور یعنی عوام کی حاکمیت قائم ہوتی ہے جو کہ جمہوریت کا مقصد اصلی اور بنیادی منشا ہے جیسا کہ جمہوریت کی تعریف سے واضح ہے جبکہ اسلام غیر اللہ کی حاکمیت کو شرک قرار دیتا ہے۔ تو ووٹ امانت شرعیہ کیسے ہوئی؟ عوام کا حکمرانوں کو اپنے ہاتھوں سے تراش کر ان کی اطاعت کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ بت پرستوں کا اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کی عبادت اور اطاعت کرنا۔ اسی لیے تو جمہوری نظام میں حکمران کی کوئی وقعت اور وقار نہیں ہوتا۔ ہر طرف سے دباؤ اور بلیک میلنگ کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ جمہوریت حکمران کو در در کا بھکاری بنا دیتی ہے کہ وہ ذلیل و رسوا ہو کر ہر ایرے غیرے سے ووٹوں کی بھیک مانگتا رہتا ہے۔ اسی لیے جمہوری حکمران بظاہر جتنا بھی کروفر میں نظر آئے درحقیقت اس کی کوئی عزت و حرمت نہیں ہوتی۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ ووٹ وکالت ہے یہ بھی غلط ہے

(الف) عقود خلوت میں یکطرفہ طور پر اکیلے منعقد نہیں ہوتے شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں

(ب) جب ووٹ گنے جاتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا کہ کونسا ووٹ کس کا ہے لہذا جب وکیل صاحب کو مؤکل کا علم ہی نہ ہو تو انعقاد وکالت کیسے؟ شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں

(ج) اگر وکالت ہے تو ہارنے والا بھی وکیل بننا چاہئے۔ شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ مؤکل وکیل کا تقرر کرے اور وہ وکالت کی تمام شرعی شرائط پر پورا اترے پھر بھی وکیل نہ بن سکے

(د) اگر وکالت ہے تو شریعت میں مؤکل جب چاہے وکیل کو معزول کر سکتا ہے یہاں کیوں نہیں؟

(ہ) جب نمائندہ اپنے فورم سے استعفی دے کر پھر واپس لے لیتا ہے تو وہ اپنی سیٹ پر برقرار رہتا ہے حالانکہ شریعت میں جب وکیل وکالت سے دستبردار ہو جاتا ہے تو پھر خود سے وہ دوبارہ وکیل نہیں بن سکتا جب تک مؤکل نہ بنائے۔

(و) شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ کچھ افراد ایک شخص کو وکیل بنائیں اور دوسرے کسی اور کو اور پھر کچھ افراد کا منتخب کردہ اُنکا بھی وکیل بن جائے جنہوں نے اس کو نہیں بنایا۔

(ز) بلا مقابلہ انتخاب کی صورت میں تو کسی نے کسی کو نہ وکیل بنایا، نہ مشورہ دیا، نہ شہادت، نہ امانت کی صورت بنی، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہو گی؟

منحوس جمہوری نظام حکومت گناہوں کا مجموعہ

اب آیئے ان گناہوں کی مختصر فہرست کی طرف جن کا یہ شیطانی نظام (جمہوریت) مجموعہ ہے، بلکہ ان میں کئی گناہ تو باعث کفر ہیں۔

۱۔ حکومت الٰہیہ اور نظام خلافت کے مقابلے میں جمہور کی حکومت قائم کرنا

۲۔ قانون سازی کا اور ترمیم کا اختیار حکومت و پارلیمان کو دینا

۳۔ غیر مسلم کفار کو ارکان اسمبلی و حکومت بنانا

۴۔ عورتوں کو ارکان اسمبلی و سربراہ حکومت بنانا

۵۔ فیصلے اکثریت کی بنیاد پر کرنا

۶۔ حکمرانوں کا خدا کی جگہ عوام کے سامنے جوابدہ ہونے کا اعتقاد

۷۔ اظہار رائے کے نام سے بے لگام آزادی، جو کہ مفضی الی الارتداد ہے

۸۔ پارلیمنٹ کو سپریم سمجھنا

۹۔ عوام کو قوت کا سرچشمہ سمجھنا

۱۰۔ عوام کو تنظیم سازی اور پارٹیاں بنانے کا حق دینا

۱۱۔ شریعت اور قرآن وسنت پر آئین کی بالادستی اور آئین کو قرآن، سنت سے زیادہ اہمیت دینا (اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں)

انتخابات اور ووٹوں کے موقع پر ہونے والے گناہ:

۱۔ برادریوں، پارٹیوں اور قومیتوں کے تعصب میں مبتلا ہونا

۲۔ بسااوقات جھوٹی قسمیں اور گواہیاں دینا

۳۔ وعدہ خلافی کرنا

۴۔ بلند وبانگ دعوے اور جھوٹے وعدے کرنا

۵۔ مسلمانوں کو منافق اور ذوالوجہین بنانا

۶۔ بے تحاشا جھوٹ بولنا

۷۔ ووٹ کی خاطر حق بات کہنے سے گریز کرنا یا ہاں میں ہاں ملانا

۸۔ ایک دوسرے کی غیبت کرنا

۹۔ سب وشتم اور گالم گلوچ کرنا

۱۰۔ بہتان تراشی والزامات کی بوچھاڑ

۱۱۔ ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ دری کرنا

۱۲۔ رشوت دے کر ووٹ خریدنا

۱۳۔ اسراف وتبذیر اور مسلمانوں کے قیمتی مال کا ضیاع

۱۴۔ حب جاہ کا پیدا ہونا

۱۵۔ حب دنیا کا پیدا ہونا

۱۶۔ امت مسلمہ کے معاملات ومصائب سے لاتعلقی اختیار کرنا

۱۷۔ مسلمانوں کو ڈرانا دھمکانا

۱۸۔ معاہدہ توڑنا

۱۹۔ تکبر خصوصاً جو جیت جائے اسکا تکبر قابل دید ہوتا ہے

۲۰۔ دشمنی و قتل اور خونریزی تک کا ارتکاب

۲۱۔ تصویر اور فوٹو کھنچوانا

۲۲۔ قیمتی وقت ان جمہوری تماشوں میں ضائع کرنا

۲۳۔ مسلمانوں کے املاک کو نقصان پہنچانا

۲۴۔ گانا بجانا اور میوزک کا استعمال

۲۵۔ اپنے اپنے امیدوار کی اس کے منہ پر تعریف کرنا

۲۶۔ جعلسازی، دھوکہ، فریب اور دھاندلی کرنا

۲۷۔ قومی وسائل کا بے دریغ استعمال

۲۸۔ کفر، ظلم اور گناہ پر معاونت اور مدد کرنا

۲۹۔ نااہلوں کو نمائندگی اور حکمرانی دینا

۳۰۔ خوشامد اور چاپلوسی کرنا

۳۱۔ مسلمانوں کو ایذا دینا مثلاً راستے بند کرنا، تیز آواز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا

۳۲۔ اپنے مسلمان بھائی کی رسوائی، شکست اور تکلیف پر اظہار شماتت اور خوشی

۳۳۔ مسلمانوں کا مختلف تنظیموں اور پارٹیوں میں بٹنا اور امت واحدہ کے تصور کی بیخ کنی ہونا۔

۳۴۔ عورتوں کی بے پردگی اور بلاضرورت (الیکشن مہم اور ووٹ کی خاطر) گھروں سے نکلنا

۳۵۔ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کی تذلیل کرنا استہزاء سخریہ اور ہنسی مذاق اڑانا یعنی اکرام مسلم کے تصور کی نفی۔

۳۶۔ مسلمان کا مسلمان کے مقابلہ میں حریف بن جانا حتیٰ کہ علما بھی، حالانکہ مسلمان کا حریف اللہ تعالیٰ نے کافر و منافق کو بنایا ہے نہ کہ مسلمان کو، بلکہ مسلمان تو مسلمان کا حلیف ہوتا ہے

شیطانی نظام جمہوریت اور جمہوری انتخابات کی وجہ سے مسلمان ان عظیم گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں ان میں سے ایک گناہ ہی اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کو دعوت دینے کے لیے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ان تمام نافرمانیوں کا کھلم کھلا ارتکاب۔ کیوں نہ اس لعنتی نظام جمہوریت سے چھٹکارا حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر کو دعوت دینے والے ان خطرناک گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: جمہوریت اس دور کا صنم اکبر

الغرض اس شخصیت کی طرف سے اپنی نمائش کا کوئی سامان نہ ہو اور عوام کو بے وقوف بنانے کا اس کے پاس کوئی حربہ نہ ہو۔ قوم نے اس کو صرف اور صرف اس بنا پر منتخب کیا ہو کہ یہ اپنے علاقے کا لائق ترین آدمی ہے، اگر ایسا انتخاب ہوا کرتا تو بلاشبہ یہ عوامی انتخاب ہوتا اور اس شخص کو قوم کا منتخب نمائندہ کہنا صحیح ہوتا، لیکن عملاً جو جمہوریت ہمارے یہاں رائج ہے، یہ عوام کے نام پر عوام کو دھوکا دینے کا ایک کھیل ہے اور بس۔۔۔!

کہا جاتا ہے کہ: جمہوریت میں عوام کی اکثریت کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرنے کا حق دیا جاتا ہے یہ بھی محض ایک پُر فریب نعرہ ہے، ورنہ عملی طور پر یہ ہو رہا ہے کہ جمہوریت کے غلط فارمولے کے ذریعہ ایک محدود سی اقلیت، اکثریت کی گردنوں پر مسلط ہو جاتی ہے! مثلاً: فرض کر لیجئے کہ ایک حلقۂ انتخاب میں ووٹوں کی کل تعداد پونے دو لاکھ ہے، پندرہ اُمیدوار ہیں، ان میں سے ایک شخص تیس ہزار ووٹ حاصل کر لیتا ہے، جن کا تناسب دُوسرے اُمیدواروں کو حاصل ہونے والے ووٹوں سے زیادہ ہے، حالانکہ اس نے صرف سولہ فیصد حاصل کیے ہیں، اس طرح سولہ فیصد کے نمائندے کو ۸۴ فیصد پر حکومت کا حق حاصل ہوا۔ فرمایئے! یہ جمہوریت کے نام پر ایک محدود اقلیت کو غالب اکثریت کی گردنوں پر مسلط کرنے کی سازش نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔؟ چنانچہ اس وقت مرکز میں جو حکومت کوس لمن الملک بجا رہی ہے، اس کو ملک کی مجموعی آبادی کے تناسب سے ۳۳ فیصد کی حمایت بھی حاصل نہیں، لیکن جمہوریت کے تماشے سے نہ صرف وہ جمہوریت کی پاسبان کہلاتی ہے بلکہ اس نے ایک عورت کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔

الغرض! جمہوریت کے عنوان سے عوام کی حکومت، عوام کے لیے کا دعویٰ محض ایک فریب ہے، اور اسلام کے ساتھ اس کی پیوندکاری فریب در فریب ہے، اسلام کا جدید جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں، نہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی واسطہ ہے، ضدان لا یجتمعان (یہ دو متضاد جنسیں ہیں جو اکٹھی نہیں ہو سکتیں)

☆☆☆☆☆

"اللہ تعالیٰ، پہلے انبیاء کرام علیہم السلام، رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی للہ عنہم، علمائے امت اور مشاہدات کا قطعی فیصلہ ہے کہ، کفر و شرک اور جرائم سے معاشرہ کو پاک کرنے اور دنیا میں للہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے صرف زبانی تبلیغ کافی نہیں، جب تک قتال کے ذریعہ کفار کی بڑی بڑی حکومتوں کی شان و شوکت نہ توڑی جائے۔ اس وقت تک نہ عام کفار اسلام کی حقانیت پر سنجیدگی سے غور کر سکتے ہیں اور نہ مسلمان معاشرہ ان کفار کے تسلط، سائنسی ترقی اور مکروہ پروپیگنڈوں اور سازشوں سے پھیلائے ہوئے فواحش و منکرات سے پاک ہو سکتا ہے"۔

فقیہ العصر حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

ان لوگوں کا یہ کفر، قریش کے کفر سے زیادہ بدتر کفر ہے

شیخ ابو محمد المقدسی حفظہ اللہ

جمہوریت کو اپنانے اور سہارا دینے والے ہمیشہ سے ہی مذہبِ اباحیت کے پیروکار، دین کے منکر، مذہب اور دین کو جدا کرنے والے اور سودی کاروبار کو فروغ دینے والے بنے۔ لہٰذا نفاذ اور استحکام جمہوریت کے نتیجے میں ہمیشہ دین مغلوب، مذہب سے دوری، اخلاقی انحطاط اور سودی کاروبار کو استحکام اور فروغ ملا اور آج پاکستان میں بھی جمہوری دانشوروں اور علمبردار طبقے میں زیادہ تر یہی لوگ نظر آئیں گے۔

یہ لوگ جس دین جمہوریت کو اپنا چکے ہیں یہ ان کے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ اہم اور بڑا ہے اللہ کے احکام معطل کیے جاسکتے ہیں ان پر پابندی لگائی جاسکتی ہے جو ان کی مخالفت کرے یا ان سے بغض رکھے یا ان کا مذاق اڑائے تو وہ ان حکمرانوں کا پسندیدہ اور دوست ہوتا ہے ان کا قانون اس شخص کا دفاع کرتا ہے اور اس کو اعتقاد کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے اسے زندہ رہنے کا حق دیتا ہے حالانکہ وہ اللہ کے دین کی رو سے مرتد ہے۔ البتہ جو شخص ان کے قانون کی مخالفت کرے یا ان کے آئین و دستور پر اعتراض کرے یا ان کے بنائے مختلف خداؤں پر اعتراض کرے تو وہ اسے ناپسندیدہ قرار پاتا ہے قابل سزا ہے اسے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اس کی مثالیں تو بہت سی ہیں یہاں ہم ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

جو شخص اللہ کو، اس کے دین اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے عدالت اس کو ایک ماہ کی سزا دیتی ہے یا زیادہ سے زیادہ دو ماہ کی جب کہ ملک میں خدا بن کر بیٹھنے والے حکمران ان کے وزرا یا عُمّالِ حکومت میں سے اگر کسی کو برا بھلا کہا جائے تو یہی حکومت ایسا کہنے والے کو تین سال قید کی سزا دیتی ہے! یہ لوگ خود کو اللہ کے برابر نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر سمجھتے ہیں!

حکمرانوں کی تعظیم اللہ سے زیادہ کی جاتی ہے

اگرچہ اس کو یہ لوگ حقیقتاً اللہ کی تعظیم طرح شمار نہیں کرتے ہیں۔ (اللہ، رسول اور دین اسلام کی توہین کی سزا دو ماہ اور حکمرانوں کی توہین کی سزا تین سال؟) ان سے پہلے کے مشرکین (مشرکین مکہ) اپنے معبودوں سے ایسی محبت کرتے تھے جیسی محبت اللہ سے کرتے تھے انہوں نے ان معبودوں کو تعظیم، تشریع، حکم اور عبادت میں اللہ کے برابر قرار دیا تھا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (البقرۃ: ۱۶۵)

"کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا رکھے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرتے ہیں"۔

فرمایا:

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء: ۹۷۔ ۹۸)

"اللہ کی قسم ہم (تمہیں پوجنے والے) واضح گمراہی میں تھے جب ہم نے تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھا تھا۔"

(یہ تو تھی پہلے والے مشرکین کی عادت یا طرز عمل) جب کہ ہمارے زمانے کے مشرک اتنے سرکش اور باغی ہوگئے ہیں کہ انہوں نے اپنے آقاؤں، خداؤں اور معبودوں کو اللہ سے بھی زیادہ تعظیم دے دی ہے (اللہ ان کی تمام ان باتوں سے بہت بلند ہے) جو بھی ان لوگوں کی عادات اور قوانین سے واقف ہے وہ ہماری بات سے ضرور اتفاق کرے گا۔ آئندہ سطور میں واضح ہوجائے گا کہ ان لوگوں کے نزدیک حقیقی حاکم اور شریعت ساز وہ ہے جو قوانین کی تصدیق کرتا ہے ان کو نافذ کرتا ہے اور وہ اللہ کا نہیں ہے نہ وہ قانون اللہ کا دین ہے بلکہ (ان کا حقیقی حاکم اور قانون ساز) ان کا طاغوت اور الٰہ ہے جس کی یہ اللہ سے بڑھ کر تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے بنائے ہوئے قانون اس کے حکم کی مخالفت کرنے والے پر غصے ہوتے ہیں اس سے نفرت کرتے ہیں بلکہ اسے سخت سزائیں دیتے ہیں جیلوں میں ڈال دیتے ہیں ان پر ایسے ایسے کیس اور الزامات ڈال دیتے ہیں جو انہوں نے کیے بھی نہ ہوں حالانکہ اللہ کے دین اس کی شریعت کی توہین کی جارہی ہو تو یہ خاموش رہتے ہیں کسی قسم کی کاروائی نہیں کرتے۔

ان کا کفر یہ بھی ہے یہ اللہ کے ساتھ خود قانون ساز بنتے ہیں:

یہ اس دور کا وہ شرک ہے جو انہوں نے رائج کر رکھا ہے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی دعوت دیتے ہیں انہوں نے اپنے آئین میں اللہ کے دین سے متصادم قوانین شامل کر رکھے ہیں یہ قوانین توحید کے منافی بھی ہیں اس لیے کہ انہوں نے ہر معاملے میں قانون سازی کو اپنا حق قرار دے دیا ہے۔

جیسا کہ اردن کے دستور کی اس عبارت سے واضح ہوجاتا ہے:

"قانون سازی کا حق بادشاہ اور اس کے ماتحت اسمبلی ممبران کو حاصل ہے۔ قانون سازی کا ادارہ اپنی صلاحیت دستور کے مطابق استعمال کرے گا"۔

جب کہ اللہ نے مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (الشوریٰ: ۲۱)

"کیا ان کے ایسے شریک بھی ہیں جو ان کے لیے شریعت بناتے ہیں دین میں سے جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی؟"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف:۳۹)

"کیا بہت سے متفرق ربّ بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ؟"

اللہ تعالیٰ نے قانون کی پیروی کے بارے میں فرمایا ہے:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام:۱۲۱)

"اگر تم نے ان کی پیروی کی تو تم مشرک ہوگے۔"

ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جنھوں نے قانون سازی کا پورا اختیار اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے؟ شریعت سازی کے معاملے میں یہ لوگ اللہ کے ساتھ شرک اکبر میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان کے آئین اور دستور کی یہ عبارت "شریعت اسلامی بنیادی مصدر تشریعی مصادر میں سے" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ ایک اللہ کو شریعت ساز نہیں مانتے بلکہ ان کے ہاں قانون و شریعت کے متعدد ماخذ ہیں جن میں سے کچھ بنیادی اور کچھ فروعی ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت اسلامی صرف ان ماخذ میں سے ایک ماخذ و مصدر ہے۔

بالفاظ دیگر ان کے ہاں شریعت بنانے والے خدا اور ربّ بہت سارے ہیں جن میں سے کچھ مرکزی یا بنیادی یا رئیسی ہیں اور کچھ فروعی ہیں ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ صرف دیگر خداؤں کی طرح ایک خدا ہے۔ (ان کے بنائے ہوئے خداؤں کے برابر۔ نعوذ باللہ) جس کو بھی ان لوگوں کے قوانین کے بارے میں معلومات ہے وہ جانتا ہے کہ ان کا رئیسی و بنیادی خدا وہ ہے جس کی تصدیق اور دستخط کے بغیر کوئی قانون ساز نہیں بن سکتا۔ ان کے طاغوت بادشاہ بھی ہیں گورنر بھی اور سردار بھی ہیں اور اگر کبھی آسمانوں کے ربّ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون پر کبھی عمل کرتے ہیں یا اسے قانون کے طور پر نافذ کرتے ہیں تو اس وقت جب ان کا خود ساختہ خدا اس پر دستخط کر دے اس کے نفاذ کا حکم کرے۔ یعنی ان کا زمینی خدا آسمانوں کے اللہ کے قانون کی تصدیق کرتا ہے اس کے نفاذ کا حکم دیتا ہے تب وہ جاری ہو سکتا ہے ان لوگوں کا یہ کفر قریش کے کفر سے زیادہ بدتر کفر ہے وہ لوگ بھی ان کی طرح متعدد خدا رکھتے بہت سارے ربّ تھے انہیں وہ اللہ کے ساتھ عبادت میں شریک کرتے تھے۔ لیکن ان کی عبادت سجدہ و رکوع ہوتی تھی جب کہ ان لوگوں کی عبادت ہر مسئلے میں قانون سازی میں ان کی اطاعت ہے اس لیے ان لوگوں کا شرک زیادہ بُرا ہے۔ اس لیے کہ مشرکین قریش اللہ کو اپنا سب سے بڑا معبود مانتے تھے سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ بڑے مرتبے والا "الٰہ" مانتے تھے اور اس کے علاوہ دیگر معبودوں کی عبادت صرف اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کرتے تھے وہ اللہ جو سب سے بڑا اور آسمانوں میں ہے یہاں تک کہ ان لوگوں میں سے کچھ لوگ حج میں تلبیہ اس طرح کرتے تھے:

لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک

"اے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے"

الّا شریکاً ھو لک تملکه وما ملک

"مگر صرف وہ شریک جسے تونے خود اپنا شریک بنا رکھا ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور وہ مالک نہیں ہے"

جب کہ یہ جو آئین کے مشرک ہیں اگرچہ اس بات کو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ رازق ہے۔ زندگی اور موت کا مالک ہے، آسمانوں سے بارش برساتا ہے، سبزہ اگاتا ہے، شفا دیتا ہے، بیٹے بیٹیاں دیتا ہے، بانجھ بناتا ہے، یہ سب کام ایک اللہ کرتا ہے ان میں سے ان کے امیر کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ لیکن قانون بنانا، اسے نافذ کرنا حکم جاری کرنا اور سب سے زیادہ اہم طاقتور اور بہتر حکم کرنا یہ ان کے امیر کا کام ہے بادشاہ کا اختیار ہے۔ ان کے طاغوت اور زمینی خدا کا کام ہے۔ شرک میں یہ لوگ کفار قریش کی طرح ہیں مگر کفر میں ان سے بڑھ کر ہیں اس لیے کہ اپنے زمینی خداؤں کے احکام کو ہر حکم پر فوقیت دیتے ہیں اللہ سے بڑھ کر ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان کے قانون کو اللہ کے قانون سے بڑھ کر وقعت و اہمیت دیتے ہیں۔ افسوس ہے۔ ہلاکت و بربادی ہے اس شخص کے لیے جو ابو جہل و ابو لہب سے بھی بڑا کافر ہے گیا۔ یہ لوگ اللہ کے برابر کسی کو ربّ ٹھہراتے ہیں۔ اللہ ان کی ایسی باتوں سے بہت بلند ہے۔

☆☆☆☆☆

"آج کل ان اصطلاحات پر بڑی بڑی بحثیں ہو رہی ہیں اور اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں اصطلاحیں اسلام کے مزاج کے خلاف ہیں۔ جو شخص "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، وہ بھی اسلام کو ناقص تصور کرتا ہے اور جو "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح کو رواج دینے کے غم میں گھلا جا رہا ہے۔ وہ بھی حیات نہیں سمجھتا۔ اس سلسلہ میں بڑا فریب یہ دیا جاتا ہے کہ ان ازموں اور طرز ہائے زندگی میں شامل سب کچھ اسلام میں ہے اور یہ نظریے اسلام کے خلاف نہیں تو پھر اس کا نام جمہوریت یا سوشلزم رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے صرف اسلام ہی کیوں نہ کہہ دیا جائے؟ اسلامی جمہوریت یا اسلامی سوشلزم کی پیوند کاری سے کیا حاصل ہے؟ اور ریشم کے پاکیزہ اور صاف کپڑے میں یہ ٹاٹ کا پیوند کیوں لگانا چاہتے ہو؟"

حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ

خلافت یا جمہوریت

مولانا محبوب الحسن بخاری

جمہوریت: اقدار اور مقاصد:

جمہوریت (Republic) دراصل سرمایہ داری کی اقدار کو نافذ کرنے کا نظام اقتدار ہے، سرمایہ دارانہ نظام میں جس قدر کا فروغ ہوتا ہے وہ برابر کی آزادی ہے لہٰذا جمہوریت (Republic) کو بطور آلہ کار اور ذریعہ استعمال کر کے سرمایہ دارانہ اقدار کا فروغ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جمہوریت (Republic) کو اس سے منسلک ایمانیات سے ہٹا کر دیکھنا لا علمی ہے، جمہوریت میں انہی اقدار کا فروغ ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے جس کے لیے اس کو بنایا اور قائم کیا گیا ہے۔ جمہوریت کا انگریزی ترجمہ میں نے Republic کیا ہے نہ کہ Democracy اس کی بنیادی وجہ یہ ہے ڈیموکریسی Republic کی فرع ہے اور وہ اس کی اصل ہے فرع میں اصل شامل ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ وہ اصل ہی کی فرع ہوتی ہے۔ Republic دراصل وہ نظام اقتدار ہے جس میں فیصلے انسان اپنی مرضی سے، کرتا ہے نہ کہ اپنے سوا کسی اور کی مرضی سے یعنی ریاست کیا نافذ کرے گی اور کس کو فروغ دے گی اس بات کا فیصلہ انسان خود کرے گا نہ کہ خدا، نہ رسم ورواج اور مذہب۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان خود کیسے درست فیصلہ کرے گا؟۔ انسان اپنے فیصلے اپنی عقل کے ذریعے سے پرکھے گا کہ یہ فیصلہ عقل کے معیار پر درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ Rebublic میں انسان خود اپنی مرضی سے عقل کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور اس عقل کے معیار پر پورا اترنے والی قدر اور حق آزادی ہے۔ لہٰذا ریاست کا کام صرف آزادی کا فروغ ہے۔ ری پبلک کا تصور ہمیں سب سے پہلے افلاطون، ارسطو، ہابس، میکاولی، لاک، روسو وغیرہ اور اس کے بعد آنے والے تمام مفکرین میں ملتا ہے جو اس طرز کی ریاست کو وجہ جواز فراہم کرتے ہیں اور اسی طرز کی ریاست کو حق جانتے ہیں۔

اب اس طرز ریاست اور نظام اقتدار میں مختلف نظام حکومت قائم کیے جاسکتے ہیں جن میں اشرافیہ، جمہوریت اور بادشاہت وغیرہ ہوسکتے ہیں۔ افلاطون بنیادی طور پر ری پبلک کا حامی تھا لیکن جمہوریت کے خلاف تھا اس کا خیال تھا کہ تمام انسان عقل کے ذریعے حق نہیں جان سکتے لہٰذا نظام حکومت میں تمام لوگ نہیں بلکہ چند یا ایک فلسفی کنگ حکومت کرے گا۔ (ری پبلک۔ افلاطون) اسی طرح ارسطو بھی ری پبلک کا زبردست حامی اور داعی تھا لیکن جمہوریت کو اس نے بھی سخت ناپسند کیا۔ پورے یونان میں عقل کا تو چرچا تھا لیکن برابری کا کوئی تصور نہ تھا شہری سے صرف مشاورت کی جاسکتی تھی اور شہری صرف اور صرف آزاد مرد تھے ان میں عورتیں اور غلام شامل نہ تھے۔ مغرب میں برابری کا تصور رومی لے کر آئے اور بتایا کہ سب لوگ عاقل ہیں اور اس میں سب برابر ہیں عورتیں اور غلام بھی۔ (Encyclopedia of Britanica)

جمہوریت وہ نظام حکومت ہے جو اصولی طور پر Republic کو خاص انداز میں قائم کرتی ہے جس میں فیصلے تو لوگوں کی ہی مرضی کے مطابق ہوں گے لیکن ایک خاص انداز میں اور وہ خاص انداز یہ ہے کہ لوگ اپنے نمائندے منتخب کر کے ایوان زیریں میں بھیجیں گے جو لوگوں کی خواہشات اور آرزوؤں کے مطابق قانون سازی یعنی قانون بنائیں گے اور یہ قانون صرف اور صرف لوگوں کی خواہشات نفسانی کا تحفظ کریں گے اور اگر منتخب نمائندگان اس طرح کی قانون سازی میں ناکام رہے تو لوگوں (عوام الناس) کو اس بات کا پورا حق ہوگا کہ وہ ان منتخب نمائندگان کو مسترد کر کے نئے نمائندگان منتخب کر کے اپنی خواہشات کا تحفظ کریں۔ (لاک)

ری پبلک اور سرمایہ داری میں چولی دامن کا ساتھ ہے ری پبلک ہی وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے سے سرمایہ داری اپنے اہداف حاصل کرتی ہے اور جمہوریت تو محض اس کی ایک خاص (Form) شکل ہے۔ لہٰذا جمہوریت چاہے براہ راست (Direct) ہو یا دستوری (Constitutional) اپنی اصل میں ری پبلک کی فرع ہے اور ری پبلک دراصل سرمایہ داری کے فروغ کا ذریعہ اور آلہ کار ہے اور سرمایہ داری دراصل اس بات کا اقرار ہے کہ انسان زمان و مکان سے آزاد قائم بالذات حقیقت ہے جو اپنا خالق خود ہے، خیر وشر کے تعین کے لیے اسے اپنے علاوہ کسی پر تکیہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

انسان بحیثیت آزاد قائم بالذات ہونے کے ناطے سے تین حقوق رکھتا ہے:

(۱) زندگی (۲) آزادی (۳) ملکیت

یہ تینوں بنیادی اور فطری انسانی حقوق ہیں اور انہی حقوق کی فراہمی سے انسان اپنی ذات کی تکمیل اور زندگی کے معانی کی کھوج لگا سکتا ہے۔ ان بنیادی حقوق سے آپ اسی وقت کماحقہ استفادہ حاصل کرسکتے ہیں جب آپ انھیں اپنی لذات کے حصول اور انھیں بڑھانے اور ان میں تنوع پیدا کرنے کے لیے استعمال کریں اور اگر آپ ان حقوق کو خواہشات اور لذات کے ماسوا استعمال کریں گے تو یہ انسانیت کی معراج کے لیے ناکافی ہیں اور تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا (سینتھم)۔

حقوق دراصل خاص فرائض کی ادائیگی کا وسیلہ ہیں لہٰذا اگر ان بنیادی انسانی حقوق کو آپ کسی اور مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیں مثلاً اپنی زندگی کو خدا کے نام اس طرح کر دیں کہ اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے زندگی گزارنا ضروری ہو جائے یا آپ صرف اور صرف خدا کی حمد وثناء اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت کے لیے آزادی اظہار کا حق نہ

دیں یا آپ اس بات پر پابندی لگادیں کہ آپ صرف اور صرف حلال چیزوں کے مالک بن سکتے ہیں اور حرام کے نہیں تو ان خیالات کی سرمایہ داری میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سرمایہ داری دراصل خدا بے زاری اور خدا کا انکار اور کفر ہے اور اسلام سے مختلف نہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے اور دو متضاد اشیا کا ایک ساتھ وجود ناممکن اور خلاف عقل ہے لہٰذا سرمایہ داری میں ایسے امکانات تلاش کرنا جس میں کہیں اسلام کو کسی کونے میں سکونت دلا دی جائے ایک مخلص مشورہ اور کوشش تو ہو سکتی ہے لیکن انتہائی غیر معقول اور ناممکن۔ انہی حقوق کا تحفظ بنیادی مقصد ریاست اور انھی حقوق کا تحفظ وہ معیار ہے جس سے لوگ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حکومت اور طرز حکومت بہتر طور پر ہمارے انھیں بنیادی حقوق کا بہتر تحفظ کر رہی ہے کہ نہیں؟ سرمایہ دارانہ نظام میں لوگ اہم ہیں لہٰذا زندگی کی ابتداء سے انتہا تک، صبح سے شام تک ان کی کوششوں کی سمت ہمیشہ اپنے ذاتی حقوق کا تحفظ ہے اور ذاتی حقوق کے تحفظ میں وہ خیر، اچھائی اور نیکی جیسے تمام تصورات کو پس پشت ڈال کر زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معاشرے اور ریاست میں حقوق تصورات خیر سے زیادہ اہم ہو جاتے ہیں اور انسان اپنے بارے میں زیادہ سوچتا اور فکر کرتا ہے اور خیر کے بارے میں کچھ نہیں یا بہت کم۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ انسان آزاد قائم بالذات ناقابل مواخذہ ہستی ہے جس کے کچھ بنیادی انسانی حقوق ہیں جنھیں انسان صرف لذات کے حصول اور تنوع اور تلذذ کے لیے استعمال کر سکتا ہے اور انہی حقوق کی اس خاص تعبیر کو دستور میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ہر طرز حکومت اس دستور کے مطابق حکومت کرتی ہے اور اگر سب لوگ مل کر اس تعبیر کے خلاف ہونا چاہیں تو ان کی یہ کوشش غلط ہے کیونکہ انسان تو اسی طرح ہی اچھا انسان بن سکتا ہے اور ہر ریاست ری پبلک کے ذریعے سے سرمایہ دارانہ نظام نافذ کرے گی اور اس ری پبلک کی مختلف اشکال میں سے ایک جمہوریت ہے۔

اب ہم جمہوریت کو بطور نظام حکومت دیکھتے ہیں جیسا کہ ہم نے اس سے قبل کہا کہ جمہوریت ری پبلک کی فرع ہے لہٰذا اپنی اصل کی طرح یہ بھی لوگوں کی حکومت ہے۔ اس میں بھی فیصلے لوگوں کی مرضی اور صرف اور صرف لوگوں کی خواہشات نفسانی کے مطابق ہوتے ہیں اور لوگوں کی اس صلاحیت کی حفاظت کا انتظام کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ فیصلے اپنی مرضی سے کر سکیں۔

جمہوریت میں سب سے پہلے بلند و بانگ دعویٰ اس امر کا کیا جاتا ہے کہ یہ عام لوگوں کی حکومت ہے عام لوگوں کے ووٹوں سے (جو کہ صرف اور صرف لوگوں کی نمائندگی کرنے کا ایک آلہ اور ہتھیار ہے) حکومتیں چلتی، بنتی اور بگڑتی ہیں اور عام آدمی کی آواز سنی جاتی ہے آزادی اور رائے ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ تمام دعوے بے بنیاد اور غلط ہیں۔ یہ اس طرح غلط ہیں کہ حکومت ایک بار منتخب ہونے کے بعد کبھی بھی عوام سے نہیں پوچھتی کہ فلاں چیز کس طرح ہو گی اور فلاں چیز کس طرح ہو گی فلاں چیز پر قانون سازی کی جائے اور کس طرح کی جائے؟ ان تمام امور کے لیے عوام سے رائے نہ لی جاتی ہے اور نہ اسے درست سمجھتا جاتا ہے۔ کیونکہ عوام اپنا فائدہ کس طرح زیادہ محفوظ رکھ سکتی ہے؟ یہ عوام سے زیادہ ماہرین عمرانی علوم (Social Scientists) جانتے ہیں لہٰذا اس سطح کا ہر معاملہ عمرانی علوم کے ماہرین کے پاس بھیجا جاتا ہے اور ان کی رائے کو حتمی سمجھ کر قانون سازی کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پاکستانی روپے کی قیمت دن بدن گرتی جارہی ہے پاکستانی عوام کے منتخب نمائندے اس کے سد باب کے لیے کبھی بھی عوام کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ یہ معاملہ ماہر معاشیات (عمرانی علوم) کے پاس بھیجا جائے گا اور ماہر معاشیات پاکستان کی معیشت کا مکمل جائزہ اور تجزیہ کرنے کے بعد بتائے گا کہ اس کا سد باب یوں ممکن ہے اور اس کے برعکس ناممکن ہے جب کہ عوام الناس کی رائے غیر معقول تصور کی جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی ایمانیات یہ ہے کہ انسان قائم بالذات آزاد ناقابل مواخذہ ہستی ہے لہٰذا خیر و شر کو وہ خود عقل کے ذریعے طے کرنے، اس کی تعبیر کرنے اور اس پر عمل کرنے کا مکلف ہے۔ اس ایمانیات سے نکلنے والا اچھی زندگی کا تصور یہ ہے کہ اچھی زندگی وہ ہے جس میں ہر انسان کو اس طور پر آزادی ملے جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق نفسانی خواہشات کو پیدا کرنے، تنوع کرنے اور ان کو مکمل کر سکنے پر قادر ہو۔ اس تصور کو جو آلہ نافذ کر سکتا ہے وہ ہے ری پبلک جس میں فیصلے لوگوں کی مرضی سے لوگوں کی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہوتے ہیں اور جمہوریت صرف ایک خاص انداز میں سرمایہ داری کے لیے یہ خدمت سرانجام دیتی ہے۔

خلافت:

خلافت دراصل اسلام کے ریاستی سطح پر نفاذ کا نام ہے خلافت کے ادارے ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خلافت کے ذریعے سے شریعت پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے آسان اور لازمی ہو جاتا ہے۔ خلافت اسلام کے تصور خیر (Good Life) کو نافذ کرتی ہے۔ یہ تصور خیر اسلام کی ایمانیات سے ماخوذ ہے جس کے مطابق انسان مخلوق ہے جسے خدا عدم سے وجود میں لایا لہٰذا انسان کی حقیقت اس کا عبد (بندہ) ہونا ہے، اس کائنات کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور انسان صرف مخلوق ہے لہٰذا شر اور خیر کو اللہ تعالیٰ واضح کریں گے اور انسان صرف وہ کرنے کا مکلف ہے جو اسے خدا نے حکم دیا ہے۔ مرنے کے بعد انسان کو اللہ کے سامنے جواب دینا ہے اس ایمانیات سے اچھی زندگی کا تصور یہ نکلتا ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے حصول کے کام سرانجام دیئے جائیں۔ جیسا حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ تم وہاں موجود ہو جہاں خدا نے موجود رہنے کا حکم دیا ہے اور وہاں غیر حاضر ہو جہاں خدا

نے تمہارا وجود ناپسند کیا۔ اس تصور خیر کو نافذ خلافت کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ (ابن خلدون)

خلافت میں جس بات کو ممکن بنایا جاتا ہے وہ ہے اسلام! جو مسلمان ہیں ان کے ایمان کو قوی سے قوی تر کرنے کی کوشش اور اس پر عمل کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع اور دوسری طرف اسلام کی دعوت و تبلیغ جس کے لیے جہاد نہایت اہم ہے۔ یہاں پر یہ بات اچھی طور پر سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اسلامی ریاست اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک آفاقی ریاست ہوتی ہے جو اپنے پھیلاؤ میں کسی خاص مکان میں محدود نہیں رہتی بلکہ پورے عالم میں پھیلنا ضروری ہوتا ہے وہ جغرافیائی حدود میں قید نہیں رہتی ہے جیسا کہ قومی ریاست (Nation State) ہوتی ہے۔ لہٰذا خلیفہ مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت اور اس پر عمل اور اسلام کی تبلیغ کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم خلافت کی آئمہ اسلام کے ہاں سے ایک خاص صورت (Form) بیان کریں یہاں یہ بات واضح رہے کہ ہمارے لیے صورت سے بڑھ کر اس میں موجود مافیہ زیادہ اہم ہے اور وہ ہے "اعلائے کلمۃ اللہ"۔ صورتوں کا اختلاف ثانوی درجہ کا ہے اور زیادہ اہمیت کا متحمل نہیں ہے لہٰذا خلافت کی کوئی بھی صورت ہو اور جس میں شریعت نافذ ہو دعوت و تبلیغ جاری ہو درست ہے۔

اب ہم خلافت کا ایک عمومی ڈھانچہ بیان کرتے ہیں۔

خلافت کا قیام دو طرح سے ممکن ہے ارباب حل وعقد شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے خلیفہ کو چن لیں عام طور سے خلیفہ کی شخصیت میں کم سے کم درج ذیل پانچ صفات ہونا ضروری ہیں۔

(۱) علم (۲) عدالت (۳) کفایۃ

(۴) حواس کا درست ہونا (۵) قریشی النسب ہونا (ابن خلدون)

درج بالا شرائط کے مطابق یا اس میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ ارباب حل وعقد خلیفہ کو چن سکتے ہیں تاریخ اسلام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا انعقاد اسی طرح ہوا۔ (ابن خلدون، ماوردی) دوسرے طریقہ انعقاد خلافت کے مطابق خلیفہ وقت حالات اور شریعت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے خود کسی شخص کو نامزد کرے۔ اور اس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت منعقد ہوئی۔ (مارودی)

خلافت کے یہ دو ہی طریقے نہیں ہیں کسی اور طریقے سے بھی خلافت کا انتخاب کیا جا سکتا ہے لیکن خلیفہ میں مذکورہ صفات کا ہونا ضروری ہے۔ خلافت میں آنے کے بعد خلیفہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ اسے توفیق دے کہ وہ اس ذمہ داری کو شریعت کے تقاضوں کے مطابق کماحقہ نبھا سکے اور اس کے بعد وہ لوگوں سے بیعت لیتا ہے اور لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کہ وہ خلیفہ کے حکم کو اس وقت تک مانیں گے جب تک وہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہوگا اور بصورت دیگر اطاعت نہیں کریں گے یعنی ان کی اطاعت مشروط ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الاَمْرِمِنْكُم فَاِنْ تَنَازَعْتُم فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللهِ والرَّسُول

"اور اللہ، اس کے رسول اور اپنے میں سے صاحبِ امر لوگوں کی اطاعت کرو اور اپنے جھگڑوں میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف پلٹ جاؤ"

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کے بعد فرمایا کہ میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں میں جب تک اللہ کے حکم کے مطابق تم کو لے کر چلتا رہوں اطاعت کرنا ورنہ مجھے درست کرنا۔

خلافت کے اعلان و بیعت کے بعد خلیفہ کی درج ذیل ذمہ داریاں ہیں۔

(۱) ایمان کی حفاظت (۲) جہاد (۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

(۴) حدود وتعزیرات کا انعقاد (۵) شعائر اسلام کی عزت واحترام

(۶) سادہ زندگی (ماوردی)

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا کہ لوگوں کے ایمان کی حفاظت اور اس میں تقویت اور ان کو عمل پر ابھارنا خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ واشاعت بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے لہٰذا اس کا اہتمام کرنا خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ کوئی نہ کوئی جماعت یا گروہ اس فریضہ کی تکمیل کے لیے کاربند رہے اور جہاد سے بھی منسلک ہے۔

خلیفہ وقت کی زندگی میں سادگی ہو، زندگی گزارنے میں کوئی عیش و عشرت نہ ہو، اسی طرح حدود کا قیام ہے کہ شریعت مطہرہ کی حدود کو توڑنے والوں کو سزائیں دی جائیں اور یہ خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا کریں اور اگر کوئی جرم حدود کی حد سے زیادہ باہر کا ہے تو مناسب تعزیرات کا اہتمام کیا جائے تاکہ شریعت مطہرہ کے قوانین توڑنے کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔

درج بالا عمومی نوعیت کا نقشہ خلافت ہے جس میں آئمہ مجتہدین کا اس کی ساخت میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے مافیہ اور اس کے شریعت کے نفاذ کے آلہ کے طور پر ضروری ہونے پر سب کا اجماع ہے۔

اب ہم مضمون کے آخری حصہ میں داخل ہو رہے ہیں جس میں ہم جمہوریت (ری پبلک) اور خلافت کا تقابلی مطالعہ کر کے نتیجہ اخذ کریں گے۔

(۱) ری پبلک میں لوگوں کی مرضی اور خواہشات کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ جب کہ خلافت میں خدا کی مرضی کے مطابق فیصلے کیے جاتے ہیں۔

(بقیہ: صفحہ ۹۳ پر)

جمہوریت... ابلیسی نظام

مولانا عبد الرؤف محمدی

جمہوری سسٹم میں فیصلوں کی بنیاد کتاب اللہ، علم و حکمت نہیں بلکہ اکثریت جس چیز کو چاہے اس چاہت اور خواہش کی بنیاد پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ جس امیدوار کو زیادہ ووٹ مل جائیں خواہ وہ کس قدر کرپٹ آدمی ہو مگر دوسری طرف کوئی شریف امیدوار تھا اور اہل آدمی بھی ہے تب بھی مقابلے میں چونکہ پہلا شخص زیادہ ووٹ لے چکا ہے اس لیے وہی کامیاب کہلائے گا۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں بھی قوانین اکثریت کی بنیاد پر مرتب کیے جاتے ہیں۔ اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کا انعقاد بہت بڑی گمراہی اور ضلالت ہے، پھر اکثریت بڑی جہل مرکب ہو تو اس کی گمراہی اور ضلالت میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔ یہ اکثریت جب پارلیمنٹ میں مفادِ عامہ کے لیے قوانین مرتب کرے گی تو اپنی افتادِ طبع، نفسانی خواہشات اور جہالت کی بنیاد پر کرے گی۔ چنانچہ زنا کا فروغ، سودی کاروبار کا استحکام اس پارلیمنٹ کا خاص وظیفہ ٹھہرتا ہے (جیسا کہ ہم حقوقِ نسواں بل دیکھتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے محض اکثریت کی بنیاد پر فیصلوں کو رد کیا ہے اور اکثریت کی پیروی کو ضلالت وگمراہی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (الانعام:۱۱۶)

''اور اس زمین والوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ اگر تم نے ان کی بات مانی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گے۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں''۔

آیت کریمہ میں صرف اکثریت کو رد نہیں کیا گیا بلکہ اس کے بارے میں یہ حقیقت بھی بیان کر دی گئی کہ ان کے فیصلے محکم بنیادوں پر استوار نہیں ہوتے بلکہ وہ ظن و تخمین سے کام لیتے اور ہوا میں تیر چلاتے ہیں... بھلا ایسے لوگ بھی ملت کی قیادت و سیادت کے لیے اہل ہو سکتے ہیں؟ پھر اکثریت کو کسی ایک جگہ قرار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ہی عہد کو بارہا بدلتے رہتے ہیں اور یہ فساق وفجار کی خاص نشانی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں کس خوبی سے اس بات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ (الاعراف: ۱۰۲)

''اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی استواری نہیں پائی، ان میں سے اکثر بدعہد ہی نکلے''۔

دورِ نبوت اور دورِ صحابہ و تابعین میں بھی کبھی اکثریت کی بنیاد پر فیصلے نہیں کیے گئے۔ ذخیرہ احادیث میں بھی ہمیں کوئی ایک حدیث نہیں ملتی جس میں اکثریت کے فکر و نظر اور فیصلوں کو سراہا گیا ہو اور اکثریت کو بطورِ اصول قبول کیا گیا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثریت کا فلسفہ باطل، گمراہی اور فسق فجور کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام دین توحید ہے، وہ امت کو وحدت کا عقیدہ و نظریہ دیتا ہے، اسلام کے نزدیک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، وہ ایک جسم کی مانند ہیں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو، خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، شرق میں رہتے ہوں یا غرب میں سب کو ''امتِ واحدہ'' کا عقیدہ دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (المومنون:۲۵)

''بے شک تمہاری امت ہی ایک امت ہے اور میں ہی تمہارا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَثَلُ المؤمنين في تَوَادِّهم وتراحُمِهم وتعاطُفِهم:مثلُ الجسد إذااشتكى منه عضو تَدَاعَى له سائرُ الجسد بالسَّهَرِ والحُمّى (مسلم)

''مسلمانوں کی مثال باہمی مودت و مرحمت اور محبت اور ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے''۔

اس کے ہم معنی صحیحین کی حدیث ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے''۔

ان آیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ وحدت امت، اتحاد واتفاقِ امت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کتنا اہم ہے۔ وحدتِ امت گویا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مصدر ہے۔ اور جو شخص اس وحدت کو ختم کرنے کے درپے ہو اس کے لیے شدید وعیدیں ہیں۔

ایک طرف دین اسلام کا یہ حکم ہے، دوسری طرف تقسیم، پارٹی بازی اور گروہ بندی جمہوری نظام کا بنیادی عنصر ہے۔ کامیاب جمہوریت وہی تصور کی جاتی ہے جہاں حزب اقتدار کے مقابلے میں ایک مضبوط حزب اختلاف بھی ہو۔ حزب اختلاف ایک پارٹی پر مشتمل ہو سکتی ہے اور کئی پارٹیوں کا مجموعہ بھی بعینہٖ یہی صورت حال حزب اقتدار کی ہو سکتی ہے۔ پارٹی کے اپنے نظریات اور اپنے اہداف ہوتے ہیں۔ جمہوری سسٹم میں حصہ لینے والی تمام جماعتیں حقوق کی سیاست کر رہی ہوتی ہیں۔ حقوق کی سیاست کا مطلب

اغراض کی سیاست ہے۔ مثلاً ایک قوم پرست جماعت محض اپنی قوم کے مفادات کی سیاست کرتی ہے، وہ اپنے دائرہ کار میں دوسری قوم کو شامل نہیں کرتی، لسانی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقہ یا جماعت کے لیے کام نہیں کرتی۔ مذہبی بنیادوں پر قائم کوئی بھی جماعت دوسرے فرقے یا جماعت کے مفاد کے لیے ہر گز کام نہیں کرتی۔ چونکہ اغراض سب کی جدا جدا ہوتی ہیں اس لیے ہر چند افراد کا گروہ یا ایک جماعت بنا کر سر گرم ہو جاتا ہے، یوں تقسیم در تقسیم کا یہ عمل بڑھتا چلا جاتا ہے، آج ہم اس کے بھیانک نتائج کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ سیکولر اور قوم پرست جماعتوں کی ہم بات نہیں کرتے' یہاں تو علما کی جماعتیں ہی کئی کئی گروہوں میں بٹ گئیں۔ جمہوری سسٹم میں مسلسل شمولیت کی وجہ سے اہل دین کی قوت بکھر گئی، ان کا رعب اٹھ گیا، وہ اجتماعی موقف نہ ہونے کی وجہ سے کوئی آواز اٹھاتے ہیں تو صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے، ان کے جائز مطالبات کو بھی در خور اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ فاسق و فاجر حکمران اتنے جری ہو چکے ہیں کہ مسجدیں شہید کریں، معصوم طلبہ اور حیا و عفت کی پیکر طالبات کا قتل عام کریں، مجاہدین کو تہہ تیغ کریں، جہاد کو دہشت گردی قرار دیں، مجاہدین اسلام کو پکڑ پکڑ کر بگرام، گوانتاناموبے اور ملک کے کونے کونے میں قائم عقوبت خانوں اور اذیت گاہوں کو آباد کریں...انہیں کھلی چھوٹ ہے۔

جمہوری ریاست میں پارلیمنٹ کا کردار:

پارلیمنٹ جمہوری ریاست کا وہ ادارہ ہے جہاں عوام ووٹ کے ذریعے اپنے نمائندوں کو چنتے ہیں تاکہ وہ ان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کے مفاد میں قانون سازی کریں۔ بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ مگر اصلاً پارلیمنٹ سرمایہ داری کے نفاذ کا ادارہ ہے۔ سرمایہ دارانہ اداروں کی اسی کے ذریعے نمو ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ میں وہی قانون سازی کی جاتی ہے جو سرمایہ دارانہ مذہب و عقیدہ سے مطابقت رکھتی ہو، اگر عوامی خواہش اس کے برعکس ہو تو اس کی مزاحمت کی جاتی ہے بصورت دیگر اس پورے نظام کی بساط ہی لپیٹ دی جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم صوبہ سرحد کی گزشتہ حکومت کے حسبہ بل کے ضمن میں دیکھتے ہیں یا جیسے الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی کامیابی کے باوجود پورے نظام کی بساط لپیٹ دی گئی۔ ارکان پارلیمنٹ مقنن یا قانون ساز ہوتے ہیں اور یہ قانون سازی مذہب سرمایہ داری کے نصابی صحیفے انسانی حقوق کے چارٹر کے دیے گئے دائرے میں رہتے ہوئے ہوتی ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع امت کو حوالہ نہیں بنایا جاتا، بلکہ قرآن و سنت کے علی الرغم قانون سازی ہوتی ہے۔

یوں دیکھا جائے تو حکم اور حکومت کے وہ تمام اختیارات جو اللہ رب العزت کو سزاوار ہیں وہ ارکان پارلیمنٹ اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں ار خود خدا بن بیٹھتے ہیں۔ حقوق نسواں بل، سود کے حق میں گزشتہ حکومت کے فیصلے، عائلی قوانین اور کئی دیگر ظالمانہ استبدادی قوانین ارکانِ پارلیمنٹ کی اسی الوہیت کے مظہر ہیں۔ قرآن کریم اور سنت میں اس قسم کی قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں خصوصاً جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلائے اور پھر مقنن بھی بن بیٹھے، یہ ایمان و اسلام کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ(یوسف:۴۰)

"اختیار و اقتدار صرف اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو"۔

إِنَّ الأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ(ال عمران:۱۵۴)

"تحقیق سارا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے"۔

ایک طرف قرآن حکیم کی آیات محکمات ہیں دوسری طرف ارکان پارلیمنٹ کا اختیار ہے کہ وہ جو چاہیں قانون بنا دیں خواہ وہ کتاب اللہ کی مخالفت میں ہی کیوں نہ ہو...یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹ ہماری نظر میں:

☆کتاب اللہ کے استرداد کا مرکز ہے۔

☆انسانوں کی حاکمیت اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ کا مظہر ہے۔

☆کافرانہ و مشرکانہ اقتدار کا منبع ہے۔

☆فحاشی و عریانی، زنا و شراب اور اباحیت زدہ معاشرے کے تحفظ اور فروغ کا ادارہ ہے۔

☆سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کی اداراتی صف بندی کرنے کا مرکز ہے۔

یہ ہم نے جمہوریت کے بارے میں چند اصولی باتیں ذکر کی ہیں اور سرمایہ دارانہ مذہب کے چند اساسی نظریات کا تجزیہ کیا ہے۔ ابھی ہم نے بہت سی تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے۔ ابھی جمہوری ریاست کی عدلیہ کا کردار بھی زیر بحث نہیں لایا جاسکا جو سرمایہ دارانہ عدل کے قیام کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے کہ جب سرمایہ دارانہ عدل کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد ظلم ہی ہوتا ہے، اس لیے کہ سرمایہ دارانہ مذہب جس چیز کو عدل تصور کرتا ہے اسلام کے نزدیک وہ عین ظلم ہے جیسے نظریہ آزادی اور جس چیز کو اسلام عدل قرار دیتا ہے 'سرمایہ دارانہ مذہب اسے ظلم قرار دیتا ہے۔ عبدیت، بندگیٔ الٰہ مثلاً اسلامی احکام جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کرنا، شراب پینے پر کوڑے لگانا وغیرہ...اسی طرف فوج، پولیس، بیوروکریسی، اسٹاک ایکسچینج اور بینکنگ سسٹم کو بھی زیر بحث نہیں لایا جاسکا۔

دراصل یہ پورا سسٹم تفصیلی تجزیے اور محاسبے کا متقاضی ہے اور یہ کام طویل دورانئے کا ہے۔ ان شاء اللہ بہ توفیق الٰہی آئندہ کبھی اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا جائے گا۔ سردست جو تفصیل ہمارے سامنے آئی ہے اس کے مطابق سرمایہ داری جمہوریت، انسانی حقوق کا چارٹر 'کفر مطلق، شرک، ضلالت و گمراہی، بغاوت الٰہی اور بدترین ظلم و تعدی کا مجموعہ

ہے۔ہم نے اس نظام کو اسی طرح کفر مطلق کہا ہے جس طرح یہودیت ،عیسائیت ،ہندو مت،بدھ مت اور سکھ مت کفر مطلق ہے۔اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد اب ہمارے لیے آسان ہو گیا ہے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں بھی خامہ فرمائی کر سکیں۔

ووٹ کیا ہے ؟

ووٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک رائے ،شہادت اور مشورہ ہے۔

اولاً ہمیں یہ رائے تسلیم کرنے میں تامل ہے،ووٹ نہ رائے ہے،نہ شہادت اور نہ مشورہ! ثانیاً اگر یہ سب مان بھی لیا جائے تو پچھلی تفصیل کو تسلیم کرنے کے بعد ووٹ دینے کا مطلب یہ ہو گا کہ ووٹ دینے والا اپنی طرف سے نمایندہ بھیج رہا ہے جو کفر مطلق جمہوری نظام میں شرکت کرے ،پارلیمنٹ کا ممبر بن کر شرک ،بغاوتِ الٰہی اور ظلم و تعدی کا مرتکب ہو۔کیا اسلام میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ کوئی شخص مذکورہ منکرات کے ارتکاب کے لیے رائے اور گواہی دے اور کیا ایسی گواہی اور مشورہ جائز امر کے ضمن میں آئے گا؟

ظاہر ہے شریعت اسلامیہ میں ایسی کسی گواہی اور مشورے کی گنجائش نہیں !ایسی رائے ، گواہی اور مشورہ سب باطل ہیں!اس کا ارتکاب کرنے والا عند اللہ مجرم ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر کہا جائے کہ اہل اور دیانت دار شخص کو ووٹ دیا جائے تو بھی وہ دیانت دار شخص جائے گا تو اسی کافرانہ جمہوری نظام میں! اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر بالفرض ہمارے ہاں ہندو مت غالب آجائے اور مندر کو پارلیمنٹ کی حیثیت دے دی جائے اور اعلان کیا جائے کہ مندر ہی آئندہ تمام سیاسی و معاشرتی سرگرمیوں کو مرکز ہو گا اور مسلمان بھی اس مندر کے ممبر بننے لگیں،اپنی عبادات کے علاوہ پوجا پاٹی نظام کو قبول کرلیں اور پروہت بننے میں فخر محسوس کریں تو جس طرح اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں،اسی طرح پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی بھی گنجائش نہیں۔مندر میں بتوں کی پوجا کی جاتی ہے جب کہ پارلیمنٹ میں انسان اپنی بندگی کرتا ہے یا سرمایے کی بندگی۔جیسے مندر ہندو مت کے عملی اظہار کی جگہ ہے ،اسی طرح پارلیمنٹ مذہب سرمایہ داری (جو کفرِ مطلق ہے)کے اظہار کی جگہ ہے۔تو جس طرح پنڈت پروہت بننے کی اسلام میں قطعی گنجائش نہیں اسی طرح پارلیمنٹ کا ممبر بننے کی گنجائش کیوں کر نکالی جاسکتی ہے ؟

ووٹ مشورہ ہے نہ شہادت:

ہماری نظر میں ووٹ نہ مشورے کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ گواہی کی بلکہ سرمایہ دارانہ نظام میں جس طرح انسان اپنی آزادی کا اظہار سرمایے کے ذریعے کرتا ہے اسی طرح وہ اپنی آزادی کا اظہار ووٹ کے ذریعے بھی کرتا ہے۔ووٹ کے بارے میں وہ اپنے سرچشمہ قوت،منبع اقتدار و اختیار ہونے یعنی اپنے خدا ہونے کا خود اعلان کرتا ہے۔

☆پھر اگر ووٹ کو بالفرض مشورہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو کیا مشورہ سے متعلق جتنی بھی اسلامی تعلیمات ہیں وہ یہاں پائی جاتی ہیں؟ووٹنگ میں بلا قید و جنس و مذہب ہر شخص حصہ لے سکتا ہے۔کیا اسلامی نکتہ نگاہ سے مشورہ و رائے ہر شخص سے لیا جاسکتا ہے؟مثلاً کہیں اسلامی ریاست میں کسی جگہ قاضی مقرر کرنا ہو تو کیا اس کام کے لیے صرف علما و صلحا اور اتقیا سے مشورہ لیا جائے گا یا ان کے ساتھ بھنگی ،چرسی،زانی،شرابی ،ڈاکو کو بھی مشورے میں شامل کیا جائے گا؟یا مثلاً کہیں بیماریوں کی آفت آگئی ہے اور وہاں ماہر ڈاکٹروں کی اشد ضرورت ہے تو اس کے لیے ماہر ڈاکٹروں سے ہی مشورہ لیا جائے گا یا قصائیوں،نائیوں اور طبلہ سارنگی بجانے والوں کو بھی مشورے میں شامل کیا جائے گا؟

اسلام نے تو مشورے کے بارے میں خاص تعلیمات دی ہیں،حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کس طرح عمل کریں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> اجمعوا له عبدين من امتي وجعلوه بينكم شورىٰ ولا تقضوا برأي واحد(روح المعانی)
>
> ”اس کے لیے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرلو اور آپس میں مشورہ طے کرلو اور کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو“۔

اس روایت کے بعض الفاظ میں فقہا و عابدین کا لفظ آیا ہے،جس سے معلوم ہوا ہے کہ مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہیے جو فقہا یعنی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہوں اور عبادت گزار ہوں۔صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ جو مشورہ اس طریق پر نہیں ہے بلکہ بے علم ،بے دین(یعنی فساق و فجار)لوگوں میں دائر ہو گا اس کا فساد اس کی صلاح پر غالب ہو گا۔

☆ اگر ووٹ کو گواہی تسلیم کیا جائے تو کیا یہاں گواہی کی شرائط اور حدود و قیود موجود ہیں؟ مثلاً گواہ عادل ہو،بالغ ہو،شریف ہو،بایں معنی کہ پنج وقتہ نمازی ہو،حلال و حرام کو جانتا ہو،یہاں بیشتر اکثریت ایسی ہے جو طہارت و نماز کے بنیادی مسائل سے بھی واقف نہیں۔فقہا نے درج ذیل اشخاص کی گواہی ناقابل قبول قرار دی ہے:

۱۔ نماز روزے کا عمداً تارک ہو۔
۲۔ یتیم کا مال کھانے والا۔
۳۔ زانی اور زانیہ
۴۔ لواط کا مرتکب
۵۔ جس پر حد قذف لگ چکی ہو
۶۔ چور،ڈاکو۔
۷۔ ماں باپ کی حق تلفی کرنے والا
۸۔ خائن اور خائنہ

☆اگر کہا جائے کہ ووٹ ایک امانت ہے تو سوال ہو گا کہ یہ امانت بندوں کو کس نے تفویض کی؟آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوئی یا جمہوریت نے تفویض کی؟یقیناً اللہ

تعالیٰ کی طرف سے نہیں کہا گیا کہ جب تمہیں امیر مقرر کرنا ہو تو سب لوگ مل کر ووٹ ڈالا کرو، نہ ہی سنت سے اور تعامل امت سے اس عمل کی کوئی توثیق ملتی ہے۔

ہاں! جمہوریت کی تفویض کردہ امانت ہو سکتی ہے مگر باطل امانت ہے، یہ ایسی ہی امانت ہے کہ جیسے کوئی شخص شراب کی بوتل آپ کے پاس بطورِ امانت رکھنے آئے تو کیا آپ اس بوتل کو دیکھتے ہی توڑنے کے درپے ہوں گے یا حفاظت سے رکھنے کی کوشش کریں گے؟

☆ بعض لوگ بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں اور ووٹ کو بیعت کا قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ ووٹ بھلا بیعت کے قائم مقام کیسے ہو سکتا ہے؟ بیعت سمع و طاعت کی بنیاد پر ہوتی ہے، وہاں تسلیم کرنے کے سوا دوسرا راستہ نہیں جب کہ ووٹ آزادی کے اظہار کا ذریعہ ہے، یہاں آپ آزاد ہیں کہ چاہیں تو مسلم لیگ کو ووٹ دیں چاہیں تو پی پی پی کو چاہیں تو کسی دیانت دار شخص کو ووٹ دے دیں۔

ووٹ کے حوالے سے چند دیگر عملی مسائل بھی ہیں۔ مثلاً ووٹروں کی اکثریت اپنے ضمیر کی آزادی کے مطابق ووٹ نہیں دے پاتی۔ وہ اگر کسی امیدوار کو غلط اور نااہل سمجھتا ہے تو اپنی پارٹی کی رائے، قبیلے کے فیصلے یا برادری کی حمایت کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے کہ اُسی نااہل شخص کو ووٹ دے (یہ جبر سرمایہ دارانہ نظام کا اندرونی تضاد ہے)۔

مختلف سیاسی جماعتیں آپس میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ بھی کرتی ہیں۔ اس صورت میں ووٹر آپس میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے پاس دار ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مذہبی جماعت نے مسلم لیگ (ق) کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی، ق لیگ بلاشبہ علما خصوصاً لال مسجد کے معصوم طلبہ و طالبات کی قاتل جماعت ہے۔ مگر جہاں اس مذہبی جماعت کے ووٹر موجود ہیں اور ق لیگ کا امیدوار کھڑا ہے تو اس کے ووٹر ق لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینے کے پابند ہوتے ہیں۔

☆ ووٹوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے، بھاری رقوم خرچ کر کے لوگوں سے ووٹ خریدے جاتے ہیں۔

☆ ووٹوں کے حصول کے لیے بھاری اخراجات کر کے باقاعدہ مہم چلائی جاتی ہے، اس مہم پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں جو اسراف و تبذیر کے زمرے میں آتے ہیں۔

☆ ووٹوں کے حصول کے لیے مخالفین پر بدترین اور شرمناک الزامات لگائے جاتے ہیں، اس سلسلے میں تمام اخلاقی قدروں اور معاشرتی تقاضوں کو یکسر پامال کر دیا جاتا ہے۔

☆ الیکشن کے دوران خفیہ اداروں کی مداخلت اب کوئی مخفی بات نہیں ہے، حکمران ٹولہ آئندہ اپنی مرضی کا سیٹ اپ لانے کے لیے خفیہ اداروں کے ذریعے ایسا جال بچھاتا ہے کہ نتائج میں بس اُنیس بیس کا ہی فرق ہوتا ہے۔

☆ یہ بات بھی اہل نظر سے مخفی نہیں کہ بالادست قوتیں اپنے من پسند امیدواروں کو جتوانے کے لیے دھمکی، دھونس سے کام لینے کے علاوہ خفیہ طور پر بیلٹ باکس میں اضافی ووٹ ڈلوا دیتی ہیں، بہت سے فوت شدہ لوگوں کے شناختی کارڈ استعمال کیے جاتے ہیں۔

ان تمام امور کے ہوتے ہوئے ووٹ کو شہادت، امانت اور مشورہ قرار دینا بہت بڑی خطا ہے، جن علمانے ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے اسے مشورہ، امانت اور شہادت ہونے کے فتاویٰ جاری فرمائے ہیں غالباً اُنہوں نے اس پورے نظام کا گہری نگاہ سے مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ وہ ضرور اس قسم کے فتاویٰ صادر کرنے سے اجتناب کرتے۔

ووٹ استبدادی نظام کی توثیق اور تائید کا ذریعہ ہے:

ہماری نظر میں ووٹ دینا مشرکانہ نظامِ ریاست و سیاست کے قیام و استحکام کا ذریعہ ہے، یہ شرک کے ارتکاب اور کفر کی تائید کے علاوہ ظلم و استبداد کی حکومت کی حمایت کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ولا تعانوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ

قرآن مجید میں انہی لوگوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے جو اپنے ایمان کو شرک اور ظلم سے آلودہ نہیں کرتے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ آمَنُوْاوَلَمْ يَلْبِسُوْاإِيْمَانَهُم بِظُلْمٍ أُوْلَٰـٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُوْنَ (الانعام: ۸۲)

"جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے آلودہ نہیں کیا، وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن اور چین ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں"۔

کیا "اسلامی جمہوریت" کوئی چیز ہے؟

اس سوال کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ "کیا اسلامی کفر بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے؟" ظاہر ہے کوئی بھی ذی ہوش انسان اس کا قائل نہیں ہوگا۔ دراصل غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں کسی اصطلاح کے ساتھ اسلامی لگانے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ اس لیے کہ وہ اپنی اصل میں اسلامی نہیں ہوتی۔ اکثر و بیشتر اصطلاحات جن کے ساتھ اسلامی کا لفظ ہو مشتبہ ہوتی ہیں۔ جیسے "اسلامی بنک کاری"، "اسلامی ٹی وی چینلز"۔ آپ اسلامی بنک کاری کی اصطلاح استعمال کریں اور سمجھیں کہ اب یہ چیز جائز ہو گئی۔ یہ ممکن نہیں! اس لیے کہ بنک کاری کا تمام تر نظام سود، سٹے اور جوئے پر مشتمل ہے۔ پھر آپ یہ بھی سوچئے کہ کبھی آپ سے کسی نے کہا "اسلامی نماز"۔ "اسلامی جہاد"۔ یا "اسلامی حج"۔ یہاں اسلامی کا لفظ لگانے کی اس لیے نہیں کہ یہ اصطلاحات اسلام کے اندر فطری ہیں کبھی کسی کو اشتباہ نہیں ہوتا ہے کہ "حج" بولا جائے اور اس سے کوئی شخص گنگا کا اشنان سمجھے یا بیساکھی کی طرف ذہن جائے! یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کی اصطلاح نظر آئے لازمی ہے کہ وہاں توقف کیا جائے اور خوب غور و فکر کے بعد اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

"اسلامی جمہوریت" بھی ایسی ہی ایک اصطلاح ہے جس کے بارے میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ بہت سے دانش وروں کا کہنا ہے کہ مغربی جمہوریت اور اسلامی جمہوریت

دو مختلف چیزیں ہیں[بعض کا کہنا ہے کہ اسلام اور جمہوریت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں](نعوذ باللہ من ذالک)]یہ مغالطہ آمیز بات ہے۔اسلام نے ہمیں خلافت کا عقیدہ دیا ہے(قال انی جاعل فی الارض خلیفہ)۔خلافت اور جمہوریت کے اصول و فروع میں زمین آسمان کا فرق ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم خواہی نا خواہی اسلام کے نظام خلافت کو جمہوریت ہی باور کرانے کی کوشش کریں یا جمہوریت کو عین اسلام قرار دینے کا ناٹک رچائیں۔

جمہوریت Democracy کا اردو ترجمہ ہے، ڈیموکریسی کا مولد و منشا مغرب ہے۔تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ڈیموکریسی جسے جمہوریت کہا جاتا ہے پانچ چھ سو سال قبل از مسیح بھی موجود تھی۔یونان میں جمہوریت رائج رہی، پھر مغرب میں ایک عرصے بعد ڈیموکریسی کا احیا ہوا۔ایک بات تاریخی تناظر میں طے ہے کہ جمہوریت کبھی کسی مذہبی معاشرے میں رائج نہیں رہی بلکہ اللہ کے باغی معاشروں میں رائج رہی۔اس نظام کو اِنہی معاشروں نے قبول کیا جو اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السلام کے منکر معاشرے تھے۔لہٰذا جب ڈیموکریسی کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ کوئی اسلامی اصطلاح ہے بلکہ کافرانہ اصطلاح تو اس کا استعمال کیونکر جائز ہوا؟ علما نے لکھا ہے کہ وہ لفظ جو اپنے اندر کسی پہلو سے کفر کا معنی رکھتا ہو اگرچہ فی الاصل مباح ہی ہو تو بھی اس کا استعمال کرنا حرام ہے۔

موجودہ صورت حال میں کیا کیا جائے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین ''مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا''۔

الیکشن ایسا سوراخ ہے کہ پوری قوم بارہا مرتبہ جمہوری سانپ سے ڈسی گئی ہے۔متعدد بار کے تجربات سے واضح ہو چکا ہے کہ اب من حیث الامۃ ہمیں اس تماشے سے اجتناب برتنا ہو گا، ہمیں اُس طریق کار کی طرف پلٹنا ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا، جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف امت نے تعامل فرمایا۔یہ راستہ دعوت و تبلیغ اور جہاد و انقلاب کا راستہ ہے اور یہی سبیل المؤمنین ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنبه وصل اللهم وسلم وبارک علی محمد نبی الأمی وعلی آله واصحبه اجمعین

☆☆☆☆☆

بقیہ: خلافت یا جمہوریت

(۲) ری پبلک میں رہنما/ امیر لوگوں کو اپنے عمل کا جوابدہ ہے اور لوگ آزاد اور برابر ہوتے ہیں۔جب کہ خلافت میں خلیفہ اللہ رب العالمین کو جوابدہ ہے اور شریعت کے مطابق لوگوں کو چلاتا ہے۔

(۳)ری پبلک میں رہنما کے لیے لوگوں کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے جب کہ خلیفہ کے لیے شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

مندرجہ بالا تضادات کی بنا پر یہ نتیجہ واضح ہے کہ ری پبلک اور خلافت آپس میں متضاد ایمانیات سے نکلنے والے تصور خیر کے نفاذ کے آلات ہیں لہٰذا ان دونوں کو ملانا ناممکن العمل اور خلاف عقل ہے۔یعنی آپ ری پبلک کے ذریعے سے اللہ کے نظام کو نافذ کرنا چاہئیں تو جزوی طور پر تو شاید یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے جس کی آج تک تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، لیکن ایسا ہونا ایک مشکل کام ہے اسی طرح خلافت کے قیام کے اندر آپ ری پبلک کے مقاصد حاصل کریں تو نہ تو یہ کبھی مقصد رہا ہے اور ایسا ہونا بھی ناممکن ہے۔

اس امر کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ جمہوریہ (ری پبلک) میں رہتے ہوئے مسلمان ری پبلک (جمہوریت) کے ذریعے سے طاقت حاصل کر کے اسے خلافت میں بدل دیں۔ مسلمان جماعتیں طاقت حاصل کرکے اقتدار میں آتے ہی جمہوریت (ری پبلک) کو بند کر دیں اور سب لوگ خلافت کے تحت رہنا شروع کر دیں۔ جمہوریت کے اندر تسلسل سے رہ کر شریعت نافذ رہنا ناممکن العمل ہے اور ہر نظام کے اپنے تقاضے ہیں اور وہ وہی چیز نافذ کرتا ہے جو کہ اس کی مابعد الطبیعاتی بنیادیں ہیں لہٰذا اب ایسا کرنا درست نہ ہو گا لیکن یہ بات کوئی اصولی نوعیت کی نہیں بلکہ ایک تدبیر ہے۔

یہاں ایک اور بات ملحوظ خاطر رہے کہ ری پبلک (جمہوریت) کا تصور آئمہ کے لیے کوئی نئی یا اجنبی تصور نہیں ہے بلکہ اس کو جانتے ہوئے شریعت کے تقاضوں سے غیر ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس سے برأت اختیار کی اور خلافت کو شریعت کے لیے مناسب اور امر الٰہیٰ کے عین مطابق سمجھا اور بتایا لہٰذا آئمہ مجتہدین نے اس سے ناواقف ہونے کی وجہ سے خلافت کا تصور نہیں دیا۔

''قرآن کریم انسان کو انسانوں کی بنائی ہوئی پارلیمنٹ، انسانوں کی بنائی ہوئی اسمبلیوں سے آزادی دلا کر اللہ اور اس کے رسول کی غلامی میں دینا چاہتا ہے!

کوئی آئین کوئی قانون ہرگز منظور نہیں ہے !

ان الحکم الا للہ

قانون ہو تو صرف اللہ کا قانون!

اگر پوری کی پوری دنیا مل کر ایک بات کہتی ہے...

ساری کی ساری امت ایک بات کہتی ہے...

لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے میل نہیں کھاتی تو اسلام کے جوتے جوتے کی نوک پر پوری امت کی بات!!!''

شہید کمان دان ڈاکٹر ارشد وحید رحمہ اللہ

جمہوریت کے حوالے سے ایک غلط فہمی

مولانا سبحان محمود

دورِ حاضر میں بشمول دینی عناصر، لوگوں کے ذہن میں جمہوریت کے حوالے سے ایک مغالطہ یہ ہے کہ جمہوریت ۲۰۰ سال قبل انقلابِ فرانس کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کی ایک نئی قسم "لبرل ڈیموکریسی"(Liberal Democracy)انقلابِ فرانس کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی۔ چنانچہ اس کے ساتھ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس جمہوریت کی تاریخ کیا ہے اور اس کا سفر کیسے طے ہوا ہے؟ ۱۲۶۵ء میں انگلستان کی پہلی انتخابی پارلیمنٹ کی صورت میں "کامل جمہوریت" کی طرف پہلا قدم طے ہوا۔ ۱۵۱۷ء میں جب مارٹن لوتھر (MartinLuthar) نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور اصلاح (Reformation) کے نام پر اپنے مقالے چرچ کے دروازے نصب کر کے چرچ سے آزادی کا اعلان کر دیا۔ یہی نظریہ ۱۶۸۸ء کی "انگلش سول وار" کا پیش خیمہ ثابت ہوا، جب کہ "سینٹ" (Senate) کے لیڈر کروم ویل (Cromwell) نے انگلستان کے بادشاہ ہنری اول (Hennry I) کو شکست دیکر سولی پر چڑھا دیا۔ اس انقلاب کو "گلوریس ریولیشن" (Golorios Revelotion) کہا جاتا ہے، اور اسی کے بعد بادشاہت کا خاتمہ اور جمہوری دور کا آغاز ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

1) تمام مذاہب برابر قرار پائے، جس کی رو سے (Freedom of religion) کا نظریہ سامنے آیا جو کہ (Free from the religion) یعنی تمام مذاہب سے آزادی کا باعث بنا۔
2) کلیسا اور اسٹیٹ میں جدائی ہو گئی یعنی ریاست کے معاملات میں مذہب کا عمل دخل ختم کر دیا گیا۔
3) Bank of England کا قیام عمل میں آیا جس کے ذریعے سرمایا دارنہ نظام کی بنیاد رکھی گئی۔
4) سیاست جاگیرداروں Land Lords سے منتقل ہو کر سرمایہ داری میں منتقل ہو گئی۔

انقلابِ فرانس (French Revuolation) جس کو انسانی تاریخ میں "جمہوریت" کی ابتدا کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ یہ دراصل والٹیئر Voltaire (۱۶۹۴ـ۱۷۷۸) اور روسل Russell (۱۷۱۲ـ۱۷۸) جیسے بدقماش اور بدمعاش انسانوں کے فلسفوں اور نظریات کا نتیجہ تھا جن کو آج انسانی تاریخ کے عظیم مفکرین کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ان بدقماشوں کے عقائد میں یہ بات شامل تھی کہ "عیسائیت" پر عمل کرنا دراصل گھر پر کام کرنے والی خادماؤں پر لازم ہے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور ان لوگوں کے عشق و محبت کے افسانے اور زناکاریاں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ ان دونوں کی تحریروں کے نتیجے میں 1789ء انقلابِ فرانس رونما ہوا جس کے درجِ ذیل بھیانک نتائج نکلے: لامذہبیت (Seculerism) کو قانونی تشخص حاصل ہوا۔

1. مذہب سے آزادی حاصل ہوئی۔ یعنی مذہب کو ایک بے کار اور useless شے سمجھا گیا۔

سیاسی حقوق میں مساوات کے تصور کو تسلیم کیا گیا جس کی رو سے معاشرے کے ہر فرد کے حق رائے دہی کو بغیر کسی تخصیص کے برابر تسلیم کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں Liberal Democracy کا فلسفہ معرض وجود میں آیا۔

2. تقسیم الحکم یعنی نظام حکومت کو تثلیث کی شکل میں تقسیم کر دیا گیا۔ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ۔
3. آزاد انتخاب کا تصور سامنے آیا۔
4. یہودیوں کا سب سے بڑا شیطانی ہتھیار "بینک" یعنی بینک آف فرانس قیام عمل میں آیا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس Liberal Democracy کو ۱۹۰۰ء تک یعنی انقلابِ فرانس کے ۱۰۰ سال تک بقیہ دنیا میں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہیں ہوئی اور ۱۹۰۰ء تک کل تین ہی ممالک یعنی امریکہ، برطانیہ اور فرانس ان جمہوری اصولوں پر قائم تھے۔ "جمہوریت" کو اصل فروغ پہلی جنگ عظیم اور خلافت عثمانیہ کے خاتمے اور خصوصاً جنگ عظیم دوم کے بعد حاصل ہوا۔ اگر جمہوریت کی تاریخ اور سفر کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ یہ ہمیشہ جنگوں اور خانۂ جنگی کے بعد (Colonization) اور اقتصادی بحرانوں کے نتیجے میں ہی نافذ ہوئی۔ جیسے جنگ عظیم اول کے بعد آسٹریا، ہنگری اور ترکی وغیرہ میں، جنگ عظیم دوم کے بعد جرمنی اور جاپان میں، "کلونائیزیشن" کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں، اقتصادی بحرانوں کے بعد روس اور ایسٹ یورپ میں۔

موجودہ دور میں ہم نے دیکھا کہ ۲۰۰۱ء میں ڈیڑھ مہینے کی شدید بمباری کے بعد میں افغانستان اور پھر ۲۰۰۳ء میں اسی طرح عراق میں جمہوریت نافذ کی گئی اور یوں جمہوریت کے نفاذ کے لیے ہمیں دوخوں ریز جنگیں دیکھنی پڑیں اور اب مشرق وسطیٰ میں اسی جمہوریت کے نفاذ کے لیے بھی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ پس جان لیجیے کہ کہ موجودہ جمہوریت کبھی بھی جمہوری اصولوں پر رائج نہیں ہوئی۔

؎ بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

☆☆☆☆☆

اسلامی جمہوریت کا کفر

مفتی عبد العزیز

جمہوریت؛ مغربی ہو یا اسلامی: کفر ہے! ذیل میں اسلامی جمہوریت کے کفر کو واضح کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے...

☆اسلام اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو قانون سازی کا اختیار نہیں دیتا جب کہ اسلامی جمہوریت پارلیمنٹ کو صفت قانون سازی میں اللہ تعالی کے ساتھ شریک کر لیتی ہے گو کہ وہ یہ قید بھی لگاتی ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا لیکن اللہ کے علاوہ کسی کو قانون سازی کا حق دینا ہی شرک ہے... چاہے وہ قانون سازی کسی بھی دائرے میں ہو... انسان قانون ساز کب سے ہوا؟ آپ یہ سوچیں کہ قرآن اب قانون کیوں نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس لیے کہ اسمبلی کی طرف سے پاس نہیں ہوا.... تو کیا قرآن کو اسمبلی کا محتاج بنانا کفر نہیں؟؟؟ کل کو اگر اسمبلی اسے پاس کرے گی تو وہ وہ قانون اس لیے ہو گا کہ پارلیمنٹ کا پاس کیا ہوا ہے نہ کہ اس لیے کہ وہ قرآن ہے... ورنہ تو ابھی ہوتا... تو کیا یہ کفر نہیں؟

اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو ذاتی صفتیں ایسی ہیں جن کا اسلامی جمہوریت انکار کرتی ہے... قانونیت اور ابدیت.... یعنی قرآن خود ہی قانون ہے.... اسے بذریعہ پارلیمنٹ قانون بنانے کی بات اس کی قانونیت کا انکار ہے... تو کیا یہ کفر نہیں؟

دوسری صفت ابدیت کا مطلب ہے کہ قرآن تا قیامت قانون ہے... اور پارلیمنٹ کو قانون سازی کا حق دینا قرآن کی صفت ابدیت کا انکار ہے کیونکہ اگر آپ نے آج اسے پاس کیا ہے تو کل کوئی دو تہائی اکثریت اسے فیل بھی کر سکتی ہے.... یا اس میں ترمیم بھی کر سکتی ہے... تو کیا یہ کفر نہیں؟

اس سے ثابت ہوا کہ کوئی جمہوریت اسلامی نہیں ہو سکتی... یہ جو ہم نے اسلامی جمہوریت کی اصطلاح استعمال کی ہے تو اس لیے کہ

؎شاید کہ اتر جائے کسی دل میں مری بات

یار لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہے... نہ اس لیے کہ ہمیں یہ تسلیم ہے... اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ وعدہ (کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنے گا) ایک جمہوری وعدے اور دھوکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ...

☆اسلام میں حق کا معیار قرآن و سنت ہیں... اسلامی جمہوریت میں حق کا معیار اکثریت ہے... تو کیا یہ کفر نہیں؟

☆ اسلام میں نھی عن المنکر ہر مسلمان کا فریضہ ہے جب کہ اسلامی جمہوریت میں سوائے پارلیمنٹ کے ارکان کے باقی لوگوں پر اس کی پابندی ہے... تو کیا یہ کفر نہیں؟

مثلاً سود پر پابندی کا بل پارلیمنٹ کا کوئی ہندو رکن چاہے تو پیش کر سکتا ہے لیکن کوئی مسلمان نیک عالم دین چاہے بھی تو پیش نہیں کر سکتا کیونکہ وہ رکن پارلیمنٹ نہیں.... تو کیا یہ کفر نہیں؟ (نوٹ: ہم کسی خلائی اسلامی جمہوریت کے قائل نہیں جس کا کہیں بھی کوئی وجود نہ ہو... ہمارے سامنے دنیا میں "اسلامی جمہوریت" کا سب سے بہترین ماڈل پاکستانی جمہوریت کی عملی شکل ہے)

☆ اسلام میں کافر اور مسلمان برابر نہیں ہو سکتے... اسلامی جمہوریت اس کا انکار کرتی ہے... تو کیا یہ کفر نہیں؟

☆ اسلام میں کوئی کافر مسلمانوں کا چھوٹا یا بڑا سربراہ نہیں ہو سکتا... اسلامی جمہوریت اس کا انکار کرتی ہے.... تو کیا یہ کفر نہیں؟

☆ اسلام میں کافر کو حاکم کے انتخاب میں رائے دینے کا کوئی حق نہیں... اسلامی جمہوریت اس کا انکار کرتی ہے۔

☆ اسلام میں حاکم تاحیات حاکم ہوتا ہے جب تک وہ عدل و انصاف پر قائم ہو... اسلامی جمہوریت اس کا انکار کرتی ہے اور محدود مدت کی قائل ہے ...

☆ اسلام کسی پارٹی بنانے کی اجازت نہیں دیتا... مسلمان ایک جسم... اسلامی جمہوریت پارٹیوں کی اجازت دیتی ہے ...

☆ اسلام حزب اختلاف کی تردید کرتا ہے... اسلامی جمہوریت اس کو ضروری قرار دیتی ہے ...

☆اسلام میں نیک اور بد برابر نہیں جب کہ اسلامی جمہوریت میں برابر ہیں۔

☆اسلام میں فاسق کسی معزز عہدے کا اہل نہیں ... اسلامی جمہوریت اس کا انکار کرتی ہے۔

☆اسلام میں خود عہدہ طلب کرنا نااہلی ہے... اسلامی جمہوریت اس کو نہیں مانتی ۔

☆اسلام میں مرد و عورت برابر نہیں ہو سکتے... اسلامی جمہوریت اس کو رد کرتی ہے۔

☆اسلام میں عورت مسلمانوں کی حاکم اور قاضی نہیں بن سکتی... اسلامی جمہوریت اس فیصلے کو حقارت سے ٹھکراتی ہے۔

☆اسلام میں عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے ... اسلامی جمہوریت اس فیصلے کو ردی کی ٹوکری میں ڈالتی ہے ۔

☆اسلام میں ہر کس وناکس سے رائے نہیں لی جاتی ... اسلامی جمہوریت کی بنیاد بالغ رائے دہی پر ہے ...

☆اسلام میں ۱۸ سال سے کم ذی استعداد و اہلیت لڑکے سے رائے لی جاسکتی ہے ... اسلامی جمہوریت ۱۸ سال کو شرط ٹھہراتی ہے۔

☆ اسلام میں رائے کے لیے تقویٰ اور معاملہ فہمی کی شرط ہے ... اسلامی جمہوریت میں ۱۸ سال کا بوتل خان ہونا کافی ہے۔

☆اسلام ثابت سرحدات کا قائل نہیں متحرک سرحدات کا علمبردار ہے ... اسلامی جمہوریت اس کا الٹ ہے۔

☆اسلامی جمہوریت آزادی افکار کی داعی ہے جب کہ اسلام بے دینی اور فسق، اِسلام اور مسلمانوں کے لیے مضر افکار کی اجازت نہیں دیتا۔

☆اسلامی جمہوریت آزادی ادیان کی قائل ہے جب کہ اسلام میں ارتداد پر پابندی ہے

☆اسلامی جمہوریت آزادی اموال کی بات کرتی ہے .... اسلام جوے سود وغیرہ پر پابندی لگاتا ہے۔

☆اسلامی جمہوریت آزادی اجسام کی بات کرتی ہے .... اسلام میں زنا کی دونوں قسموں جبر اور رضا پر پابندی ہے ۔

☆اسلامی جمہوریت اقوام متحدہ کی کنیز بننے کو فرض قرار دیتی ہے ... اسلام اسے حرام قرار دیتا ہے ...

☆اسلام أمر بالمعروف والنهي عن المنكر کو فرض قرار دیتا ہے .... اسلامی جمہوریت اس کی بہت سی صورتوں کو یہ کہہ کر حرام ٹھہراتی ہے کہ یہ ریاست میں ریاست ہے .... یا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا .... یا ... قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ...

☆اسلام میں تصویر حرام ہے ... اسلامی جمہوریت میں باتصویر انتخابی نشان کو قبول کرنا ضروری ہوتا ہے خواہ اپنی پارٹی کا یا دوسری پارٹی کا...

اس کے علاوہ جمہوریت کے نقصانات اتنے ہیں کہ شمار مشکل ہے ... مسلمانوں میں پارٹی پرستی کی عصبیت، اپنے اتحادی شیعہ کو مخالف سنی شیخ الحدیث پر فوقیت دے کر ووٹ دینا، گھر گھر ناچاقیاں، ایک دوسرے کی تذلیل، مارپیٹ قتل، ہر بندے کا کئی چہروں والا بن جانا کیونکہ ہر ایک کو کہنا ہوتا ہے کہ ووٹ تمہارا ہے، غیبتوں تہمتوں کے سمندر، تصویر کی گندگی کا اتنا پھیل جانا کہ دلوں سے اس کی قباحت نکل جائے، اسراف و تبذیر کھربوں کھربوں پیسہ فضولیات میں بہتا ہے، حسد بغض، علما اور شریفوں کی تذلیل، فساق اور بد اطواروں کا شریفوں پر غالب آنا، معاملات نااہلوں کے سپرد ہونا وغیرہ وغیرہ۔

اب آتے ہیں اس بات کی طرف کہ جمہوریت میں اسلام لانے کے لیے کتنے کفر کرنے پڑتے ہیں ...

1) بل کو ارکان پارلیمنٹ کے علاوہ کوئی مسلمان پیش نہیں کر سکتا... پابندی ہے۔
2) شریعت بل کو بحث کے لیے پیش کرنے سے پہلے دیکھا جائے گا کہ آئین کے مطابق ہے یا نہیں۔
3) اس کے بعد بل کو بحث کے لیے پیش کیا جائے گا۔
4) جو ارکان مخالفت میں بحث کریں گے ان کے لیے کوئی سزا نہیں۔
5) اگر بحث کے نتیجے میں یہ قرار پایا کہ یہ اگلے مرحلے میں جانے کا اہل نہیں تو یہ واپس جانے گا۔
6) اگر بحث کے نتیجے میں قرار پایا کہ یہ آگے جائے گا تو اس پر ووٹنگ ہوگی۔
7) دو تہائی اکثریت حاصل نہ کی تو ختم۔
8) دو تہائی اکثریت حاصل کی تو پھر یہ سینیٹ کی منظوری کا محتاج ہو گا۔
9) سینیٹ کے پاس مسترد کرنے کا اختیار بھی ہے۔
10) اگر سینیٹ نے بھی منظور کر لیا تو یہ توثیق کے لیے سپریم کورٹ جائے گا۔
11) جس کے پاس رد کرنے کا اختیار بھی ہے۔
12) سپریم کورٹ کی توثیق کے بعد یہ صدر کے پاس توثیق کے لیے جائے گا۔
13) جو اسے رد بھی کر سکتا ہے۔
14) اگر صدر نے توثیق کر دی تو یہ ایک ایسا قانون بن جائے گا جس کو موجودہ اسمبلی یا آئندہ اسمبلی چاہے تو ختم یا تبدیل کر سکتی ہے...

☆☆☆☆☆

"ایسی پر تشدد کارروائیاں جن سے عامۃ المسلمین کا نقصان ہو اور جس میں شریعت کی پاسداری نہ کی جائے تو ایسا ہر قدم جہاد کہلانے کا مستحق نہیں، بلکہ فساد ہے۔ لہٰذا جہاد اور فساد کے درمیان پایا جانے والا فرق ہر مسلمان پر واضح ہونا چاہیے، تاکہ وہ نفاذِ اسلام و شریعت کے لیے گھر سے نکلے، جہاد کرے اور فساد سے روکے، نہ کہ فساد کا باعث بنے"۔

مولانا مثنیٰ حسان حفظہ اللہ

شیخ الہند رحمہ اللہ کی جدوجہد کا مقصد

محمد ریحان شہزاد

موجودہ ''اسلامی جمہوری سیاست'' یا ''اسلامی جمہوری ریاست'' کے تناظر میں ۱۸۵۷ء کے آس پاس کے علمائے دیوبند کی تاریخی جدوجہد کا مطالعہ یہ تلخ حقیقت عیاں کرتا ہے کہ جمہوریت کے نام پر اکابر دیوبند کا نام استعمال کرنا اُن کے افکار و نظریات اور مقاصد کے ساتھ وہ کھلا ظلم ہے، جسے چشمِ فلک دیکھ رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُس کا بدلہ بھی لے رہی ہے۔یعنی کامیابی ندارد!

'تحریک ریشمی رومال، اسیر مالٹا، علمائے ہند کا شان دار ماضی، دارالعلوم دیوبند میں بیتے ایام، جمعیۃ علمائے ہند، عیسائیت پسند مسلمان، نقشِ حیات'... یہ وہ کتب ہیں، جو اس بات کو پوری وضاحت سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے لے کر حضرت شاہ اسماعیل شہید، امیر المؤمنین سید احمد شہید، سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت رشید احمد گنگوہی، مفتی کفایت اللہ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت عبدالقادر رائے پوری، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور خاص الخاص حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہم اللہ کی تمام تر جدوجہد کا مقصد کبھی بھی جمہوریت نہیں رہا تھا۔

یہ بزرگانِ دین اول تا آخر اور ابتدا سے انتہا تک سر تا پا ایک اسلامی ریاست کا قیام چاہتے تھے۔ نظام جمہوریت تو اِن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ البتہ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے جو کہا جاتا ہے کہ وہ عدمِ تشدد کے فلسفے پر کاربند تھے۔ جان لینا چاہیے کہ عدمِ تشدد کا فلسفہ بنیادی طور پر گاندھی جی کا تھا۔ مفتی کفایت اللہ صاحب کا ابتداءً اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ اگر بعد ازاں جمعیۃ علمائے ہند کے نام پر ایک جماعت کا وجود عمل میں لایا گیا تھا تو اُس کا مقصد ہرگز ہرگز جمہوری جدوجہد نہیں تھا۔ بلکہ جمعیۃ علمائے ہند اس لیے قائم کی گئی، تاکہ تحریک ریشمی رومال کے تناظر میں قید ہونے والے احباب کو رہائی دلوائی جائے۔ اسیرانِ مسلح جدوجہد کے خاندان وغیرہ کی کفایت کی جاسکے۔ کم از کم سطح پر مسلمانانِ برصغیر کے لیے ایک بیت المال قائم کیا جائے۔ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کی نگہداشت کی جاسکے۔ اور اُنہیں 'وحدتِ امت' کی لڑی میں پرو کر منتشر ہونے سے بچایا جائے۔ تاآنکہ انگریز سامراج سے خلاصی ہو اور کم از کم طور پر ایک امیر کی 'امارت' قائم کر کے مناسب جدوجہد کے ذریعے برصغیر میں اسلامی ریاست قائم کی جاسکے۔

اہم بات یہ کہ یہ 'مناسب جدوجہد' بھی ایک عارضی حل کے طور پر طے کی گئی تھی۔ چونکہ یہ عارضی تھی، اس لیے اسے اُن حالات کے تناظر میں عارضی ہی رہنا تھا، نہ کہ مستقل۔ جیسا کہ آج کل بعض جماعتوں نے خود سے ایک طریقہ اختیار کر کے اُسے 'اکابر کے طریقۂ سیاست' کا نام دے کر عوام کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔

چونکہ بنیادی امر یہ ہے کہ جمہوریت اُن بزرگوں کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی اور نہ جمہوری سیاست اور نہ جمہوری ریاست۔ اس لیے اُن کے نام پر 'جمہوریت جمہوریت' کا راگ الاپنا سراسر ظلم ہے۔ اگر یہ بات فی الحال طے کر لی جائے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں مسلح جدوجہد (درست الفاظ میں 'جہاد') مناسب نہیں یا فی الوقت اُسے اختیار نہ کیا جائے تو یہ بات تو ثابت شدہ اور طے شدہ ہے کہ جمہوریت بھی ہرگز مسلم امت کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ اگر 'نعمتِ خلافت' دستیاب نہیں تو اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اپنے پاس موجود خلافت سے کم بہتر طریقے 'امارت' کو چھوڑ کر دوسروں کے سامنے جھولی پھیلا کر جمہوریت کی بھیک مانگی جائے؟!

اگر شیخ الہند رحمہ اللہ عارضی حل کے طور پر جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاسوں میں شرکت کرتے تھے تو اُن کا مقصد 'امارت' ہی تھا۔ یعنی وہ اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح مسلمانانِ برصغیر کے لیے ایک 'شرعی امیر' منتخب کر لیا جائے۔ لیکن تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ تب بھی جماعتی بنیادوں پر بن جانے والے بعض حلقے اس کوشش میں تھے کہ ہماری جماعت کے بڑے کو امیر بنایا جائے۔ بس اسی مفاداتی لڑائی کے دوران حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ انتقال کر گئے۔ اور وہ اپنی مسلح جدوجہد کا بدلہ پانے اپنے رب کے ہاں حاضر ہو گئے۔ اور مفادات کے اسیر اب تک جوں کے توں اپنے اپنے بڑوں کو پوجنے میں مصروف ہیں۔

مفادات کی لڑائیاں انتہائی منحوس ہوتی ہیں۔ آج پاکستان انہی منحوس لڑائیوں کی وجہ سے ''انسانیت کا جنگل'' بنا ہوا ہے، جہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس! جب جمہوری جدوجہد کے غیر عقلی، غیر شرعی اور غیر فطری ہونے کی بات کی جائے تو بعض جمہوری جماعتوں کے لیڈر واضح الفاظ میں مسلح جدوجہد (جہاد) سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے جگتیں مارتے نظر آتے ہیں کہ 'تم مجھے لکھ کر دے دو کہ مسلح جدوجہد سے اسلام نافذ ہو جائے گا!' اگر ان سے ہی یہ سوال کیا جائے کہ 'آپ ہی کیوں نہیں لکھ دیتے کہ آپ جمہوریت سے اسلام نافذ کر کے دکھادیں!' تب کہتے ہیں کہ نتیجہ اللہ کے پاس ہے۔ تو محترم یہ نتیجہ تب ملتا ہے، جب راستہ درست اختیار کیا جائے۔ سوال، بلکہ آپ کی جگت کا جواب یہ ہے کہ 'ملا عمر نے مسلح جدوجہد ہی سے اسلام نافذ کیا تھا'۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہ طنز اُن لوگوں کو کیا جاتا ہے، جنہوں نے ملا عمر مجاہد رحمہ اللہ کو امیر المؤمنین منتخب کیا اور انہوں نے اسلام نافذ کر کے دکھا بھی دیا۔ یعنی آپ مذکورہ طنز کا جواب یوں دے سکتے ہیں کہ 'ملا عمر پیدا ہو کر اسلام نافذ کر کے دنیا سے بھی چلے گئے اور یہ جمہوریت کے رسیا ۱۹۴۷ء سے اب تک یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ ہمیں ووٹ دو تو ہم تمہیں اسلام نافذ کر کے دکھائیں گے'۔

فاعتبروا یا اولی الابصار......اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو

☆☆☆☆☆

خیالات کا ماہنامچہ

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات و احساسات: جولائی ۲۰۱۸ء

معین الدین شامی

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ وہی ہمارا مالک ہے، وہی خالق ہے اور ہم اسی کے بندے ہیں۔ اللہ کا احسان ہے جس نے ہمیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا شرف و اعزاز بخشا۔ اللہ پاک ہم سے راضی ہو جائیں اور ہمیں ان لوگوں میں ہونے سے بچائیں جن کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، آمین یاربّ العالمین۔

نجانے کیوں...؟

آج سے پانچ چھ برس قبل راقم نے 'نجانے کیوں؟' کے نام سے ایک احساس لکھا تھا...

"میں ذرا عجیب سا آدمی ہوں... نجانے کیوں؟

میں سوچتا ہوں کہ حق کا میدان تو اسلام آباد، لاہور اور کراچی کے چوراہوں پر بڑے بڑے جلسوں اور احتجاجی مظاہروں کی صورت سجا ہے...

حقیقی مورچے تو کانفرنس ہالوں کی گول میزیں ہیں...

اصل شجاعت تو امریکی سفارت خانے کے باہر ببانگِ دہل، امریکہ مخالف نعرہ لگانا ہے...

جہاد تو تقریر میں دشمن کے دانت کھٹے کرنا ہے...

تقدیسِ قلم تو اسی نظام میں رہتے ہوئے ایک اچھے حزبِ اختلاف کے رکن کی حیثیت سے سلطانِ جابر پر تنقید کرنا ہے...

کیا ہوا جو پارلیمنٹ میں حقوقِ نسواں بل پاس ہو گیا؟ اچھی تہذیب تو جمہوری رویوں کا فروغ ہے...

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا بدلہ تو مغربی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا ہے...

میں سوچتا ہوں، حق و باطل کا معرکہ تو درج بالا محاذوں پر لڑا جا رہا ہے...

مگر نجانے کیوں ڈرون حملے وزیرستان میں ہو رہے ہیں؟ نجانے کیوں...؟"

آج چھ برس بعد احساس پھر عجیب سا ہو گیا ہے... اس بار تو سمجھ میں نہیں آ رہا اس لیے کچھ لکھا بھی نہیں جا رہا...

میں سوچتا ہوں کہ آج وزیرستان میں ڈرون حملے کیوں نہیں ہو رہے؟ آپ بھی سوچئے گا...!

بی بی سی... عقائدِ بد پھیلانے والا ادارہ:

چند دن پہلے بی بی سی اردو پر ایک رپورٹ نشر ہوئی۔ رپورٹر 'عمر دراز'، لاہور میں واقع 'بی بی پاک دامن' کے مزار پر گیا۔ وہاں کچھ لوگوں سے اس نے بات کی۔ ایک شخص نے وہاں کہا کہ میں پہلے یہاں بیٹا مانگنے آیا تھا اور چار ماہ پہلے میرے یہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ اسی طرح دیگر لوگوں نے کہا کہ یہ آلِ بیت کی جگہ ہے یہاں مرادیں پوری نہیں ہوں گی تو کہاں ہوں گی۔ اس کے بعد عمر دراز جامعہ پنجاب لاہور کے سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ / شعبۂ علومِ نفسیات کی صدر کے پاس گیا۔ اس شعبے کی خاتون صدر نے کہا کہ بیٹا ہونا ہی تھا سو ہو گیا اور کسی اور چیز کا اس میں دخل نہیں۔

بی بی سی کی اس رپورٹ سے عام آدمی دو طرح کے نتائج نکالے گا جو اس کی زندگی میں عقیدے کی سی حیثیت اختیار کر لیں گے۔

- جعلی پیروں اور اہلِ قبور سے استغاثہ، مدد اور اولاد مانگنے کا سلسلہ اور انہی کو داتا اور مشکل کشا سمجھنا۔ یعنی ایک سادہ لوح بندۂ مؤمن اللہ سے مدد نہ مانگے بلکہ ان جعلی پیروں فقیروں ہی سے اولادیں مانگتا رہے۔
- سائیکالوجی و عقلِ محض پر یقین رکھنے والے جعلی پیروں فقیروں تقدیر پر ایمان رکھنے والے کا ایمان متزلزل ہو کہ جو ہونا ہے وہ تو ہونا ہی ہے، خود بخود ایک نظام جاری ہے۔ یعنی بندۂ مومن کے دل میں تشکیک کے بیج بو دیے جائیں اور وہ اللہ پر اور اللہ کی جانب سے تقدیر پر ایمان رکھنے کے بجائے بس سوچے کہ یہ سب automatic / خودکار نظام ہے اور چلے جا رہا ہے۔

اس سب کا مقصد یہ ہے کہ بس اللہ پاک کی طرف توجہ نہ ہو۔ ایمان اللہ پر نہ ہو، باقی جس مرضی عقیدے اور نظریے کو ایمان بنا لو۔ قبروں، مردوں سے مانگو یا سب کچھ کو خود بخود قرار دے دو، یہودی، عیسائی، ہندو، پارسی کچھ بھی بن جاؤ بس اللہ کے بندے نہ بنو!

سبیکہ احمد شیخ کی امریکہ میں ہلاکت:

امریکہ میں آئے روز ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن میں کوئی امریکی بندوق لے کر کسی سکول یا عوامی مقام میں گھس کر لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہے۔ ایک پاکستانی نو عمر طالبہ، سبیکہ احمد شیخ بھی ایسے ہی ایک واقعے کے نتیجے میں رمضان المبارک کے دوران امریکہ کی ریاست ٹیکساس کے شہر ہیوسٹن کے ایک سکول میں قتل ہو گئی۔ یہ طالبہ، طلباء کے بین الاقوامی تعلیمی تبادلے / Exchange program for education کے تحت امریکہ گئی تھی۔

ایسے طلباء و طالبات امریکہ میں foster parents / رضاعی[1] والدین کے یہاں ان کی لے پالک اولاد کی طرح رہتے ہیں۔ ان کے وہاں رضاعی بہن بھائی ہوتے ہیں، اسی طرح

[1] یہاں رضاعی سے مراد دودھ پلانے والا رشتہ نہیں ہے بلکہ یہ انگریزی لفظ foster کے ترجمے کی کوشش ہے۔ یہ رشتہ ایسا ہوتا ہے جس میں کوئی ماں باپ کسی کے بچے کو کچھ عرصے یا زندگی بھر کے لیے اپنے پاس تربیت اور پرورش کی غرض سے رکھتے ہیں۔

رضاعی خالہ و ماموں اور چچا و پھوپھیاں بھی۔ یہ سب رشتہ دار کافر peter، john، jane، Elizabeth ہی ہوتے ہیں۔

اس واقعے کے بعد اس طالبہ کے والد نے امریکی صدر ڈانلڈ ٹرمپ سے مطالبہ کیا کہ میری بیٹی کے خون کا بدلہ لیا جائے اور امریکہ میں Gun laws کو تبدیل کیا جائے۔

یہاں ہمارے سمجھنے کا مقام یہ ہے کہ ہماری قوم کے لوگ اب اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ان کی جواں سال بیٹیاں، بغیر کسی ولی اور محرم کے امریکہ چلی جائیں، وہاں کی تہذیب اپنائیں، اسی کلچر میں رنگ جائیں اور یہ سب سرمایۂ افتخار قرار پاتا ہے۔

ان کافروں کو ہم خود اپنے بچوں کے رضاعی والدین بناتے ہیں جو ان کے اخلاق، دین و ایمان سب کو ویسے ہی بناتے ہیں جس طرح شیطان اہلِ جہنم کے اخلاق و ایمان کی تعمیر دیکھنا چاہتا ہے۔

مزید افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس طرح کے جنونی واقعات کے بعد بھی ہمارے لوگوں میں سے چند کی آنکھوں پر تقلیدِ مغرب کی ایسی پٹی بندھی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے قتل ہو جانے کے بعد بھی اسی امریکی جنونی نظام کے گُن گاتے ہیں، اسی نظام کو نجات دہندہ اور فلاح و اصلاح کا نظام گردانتے ہیں۔ پھر اس جنونی ریاست کے جنونی صدر ہی سے اپیل کرتے ہیں کہ ہماری بیٹی تو قربان ہو گئی لیکن اور بیٹیوں کو بچائیں۔

حالانکہ بہن، بیٹیوں کی عزت و ناموس اور جان کی حفاظت تو گھر میں ٹکنے اور ضرورت پر باپردہ ہو کر گھر سے نکلنے میں ہے۔ ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ بہن بیٹیوں کو گھر میں حفاظت سے رکھا جاتا ہے، بازارِ نیلامی میں رضاعی والدین کو امریکہ کے عیش اور نام نہاد ترقی کے عوض نہیں بیچا جاتا۔

تاسف ہے کہ سبیکہ احمد شیخ کے والد نے پہلے اپنی بیٹی کے لیے یہ سب اختیار کیا اور پھر اس کو شہید کہا اور اس کی شہادت کو استعمال کر کے گن لاز میں تبدیلی کی کوشش کی تجویز پیش کی اور وہ بھی اسلام اور انسانیت کے دشمن ڈانلڈ ٹرمپ کو۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد بن علمان نہیں محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین چلے گا!

خبر ہے کہ سعودی عرب میں سال ۲۰۱۸ء کی پہلی شش ماہی میں شدید ترین بے روزگاری کا بحران رہا ہے۔ سعودی عرب کی تاریخ میں کبھی بے روزگاری اس شرح کو نہیں پہنچی جتنی اب ہے۔

حالانکہ سعودی ولی عہد اور سعودی عرب کے مختارِ کُل 'شہزادہ' محمد بن علمان[2] نے اپنے وژن ۲۰۳۰ کے ذریعے بہت سے روزگار کے مواقع پیدا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ سیاحت (سیاہت)، انفارمیشن ٹیکنالوجی، جدید سینما گھر، میوزیکل کانسرٹ، خواتین کو محرم کے بغیر باہر نکلنے اور گاڑیاں دوڑانے کی اجازت، نائٹ کلب، عریاں ساحلِ سمندر... یہ ہیں وژن ۲۰۳۰ء کے نمایاں نکات۔ ان کے ذریعے بے روزگاری کو ختم اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے کی کوشش ہے۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى
[طٰہٰ: ۱۲۴]

"اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی، اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔"

اس آیت کی تفسیر میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اللہ کے ذکر یا نصیحت سے مراد قرآنِ مجید یا ہدایتِ ربّانی ہے۔

سو جو شخص اللہ کی ہدایت کی طرف سے منہ موڑے، محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین پر محمد ابنِ عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربّ کی جگہ امریکی و شیطانی روش پر چلے گا تو اس کی دنیوی زندگی بھی بہت تنگ ہو جائے گی، آخرت کا عذاب تو ہے ہی ہے!

محمد بن علمان کے وژن ۲۰۳۰ میں فلاح نہیں، محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے دین میں نجاتِ اخروی بھی ہے اور فلاحِ دنیوی بھی!

را، موساد اور آئی ایس آئی... دشمن دیں سب بھائی بھائی:

سابق ڈی جی آئی ایس آئی جنرل اسد درّانی اور سابق را چیف اے ایس دُلت کی یادداشتوں اور باتوں پر مبنی ایک کتاب ہندوستانی صحافی اَدِتیا سنہا نے لکھی ہے۔ نام ہے: The Spy Chronicles RAW, ISI and the Illusion of Peace۔ ارادہ ہے کہ اس کتاب سے کچھ اقتباسات پیش کیے جائیں۔ لیکن پہلے کچھ تبصرہ۔ دیکھیے را اور آئی ایس آئی نے وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ ان کا آپسی تعلق کیسا ہے اور کن بنیادوں پر کھڑا ہے۔ دو 'دشمن' ایجنسیوں کے سربراہوں کی ملاقاتیں اور پھر مشترکہ کتاب، امن کی آشا کا پتہ دیتی ہے۔ نیز یہ بھی بتاتی ہے ہمارے جرنیلوں کے نزدیک جڑنے اور کٹنے کے لیے کوئی نام نہاد 'دو قومی نظریہ' ہے اور نہ ہی 'پاکستان کا مطلب کیا... لا الٰہ الا اللہ'۔ ان کے یہاں جڑنا اور کٹنا مفادات کی بنیاد پر ہے۔ ان کا 'معاشرہ' بھی اپنا ہے اور معاشرت بھی۔

صرف ابتدائیے سے چند اقتباسات پیش ہیں، اس لیے کہ یہ باتیں انگریزی محاورے from the horse's mouth[3] یعنی مستند آدمی[4] کی زبانی، جسے ہم گھر کا بھیدی کہہ سکتے ہیں کی زبان سے ہیں۔ آدمی کے لیے خود اس آدمی سے زیادہ، اپنا ترجمان کوئی اور ہو سکتا

---

[2] علمان = سیکولر / لادین

[3] لفظی ترجمہ: گھوڑے کے اپنے منہ سے

[4] اسد درانی اور اے ایس دُلت دونوں ہی مستند آدمی ہیں، دونوں دو بڑی ایجنسیوں کے چیف رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مستند کا کوئی معنیٰ نہیں۔

ہے؟ سو جانیے کہ 'ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ' والی فوج اور اس کے جرنیلوں کے نظریات، عقائد، طرزِ معاشرت، قیام وطعام، بود وبوش اور دوستیاں ویارانے کیسے ہیں؟ کتاب کے تعارفی باب کا آغاز 'سعادت حسن منٹو' کے ایک قول سے کیا گیا ہے۔ قول اس کا کتنا ہی صائب ہو لیکن منٹو کے نام پر اتفاق بتاتا ہے کہ جرنیل کیسی تہذیب اور کیسی معاشرت کے دلدادہ وخواہاں ہیں۔

ایک مسلمان جرنیل اور ایک کافر جرنیل کے تعلق کا اندازہ اس بات سے لگائیے، دُلت لکھتا ہے:

> "Our wives met at one of the Track-II meetings on Kashmir, held in December 2015 at a Dead Sea resort in Jordan. My wife Paran and the Begum are poles apart. Paran enjoys an occasional smoke with the General whereas the Begum approves of neither smoking nor drinking."[5]

> "ہم دونوں کی بیویوں کی ملاقات اردن میں بحیرۂ مردار کے کنارے واقع ایک ریزورٹ[6] میں ہوئی جہاں ہم مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ایک 'ٹریک- ٹو'[7] کی میٹنگ کے لیے جمع تھے۔ میری بیوی 'پَرَن' اور 'بیگم صاحبہ' کے مزاج میں بُعد المشرقین سا فاصلہ ہے۔ 'پَرَن' کبھی کبھار جنرل صاحب کے ساتھ بیٹھ کر سگریٹ نوشی سے محظوظ ہوتی ہے جب کہ 'بیگم صاحبہ' نہ سگریٹ نوشی منظور کرتی ہیں نہ پینا پلانا۔"

اسد درانی اپنی بچپن کی پرورش کے متعلق لکھتا ہے:

> "I grew up watching Indian movies; even knew all the great names from show business based in Bombay..."[8]

> "میں انڈین فلمیں دیکھتا جوان ہوا؛ حتیٰ کہ میں بمبئی میں شو بز سے وابستہ تمام بڑے ناموں کو بھی جانتا تھا..."

فوج میں شامل ہونے کے مقصد کے متعلق لکھا ہے:

> "I may have joined the army in 1959 because Ayub Khan had putsched only a year earlier, or because the girls in Government College Lahore, where I was studying, clearly fancied those who showed off in uniform."[9]

> "میں ۱۹۵۹ میں فوج میں اس لیے شامل ہوا کہ ایوب خان (ایک فوجی) نے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ یا پھر میری فوج میں شمولیت کا مقصد گورنمنٹ کالج لاہور کی لڑکیوں کو متاثر کرنا تھا، اس لیے کہ وردی میں موجود شیخی بگھارنے والوں پر وہاں کی لڑکیاں مرتی تھیں۔ میں بھی اسی کالج میں پڑھتا تھا۔"

وطن ہی سب سے بڑا دیوتا ہے۔ جو اس دیوتا کی پوجا کرے وہ لائق احترام ہے۔ دورانِ فوجی تربیت 'جنگی نظریے' کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "While training for war, we were taught that though we had to fight better than our large adversary, but must also keep in mind that our enemy too was doing this for his country."[10]

> "فوجی تربیت کے دوران ہمیں اپنے سے بڑے حریف (ہندوستان) سے بہتر لڑنے کی تربیت دی جاتی تھی، لیکن ساتھ میں یہ بھی ذہن نشین کروایا جاتا تھا کہ ہمارا دشمن بھی ہم سے اپنے وطن ہی کی خاطر لڑ رہا ہے۔"

یہ اقتباسات صرف ابتدائیے سے ہیں، جو اب تک میری نظر سے گزرا تھا۔ اس ابتدائیے میں اور بھی بہت سے اقتباسات ہیں جو قابلِ ذکر ہیں لیکن اس صورت میں یہ اس کتاب کا اردو ترجمہ شروع ہو جائے گا۔ ابتدائیہ پڑھنے کے بعد میں یہ تاکید سے تجویز کروں گا کہ اس کتاب کو پڑھا جائے۔ اس کتاب کو پڑھنے کا فائدہ ان لوگوں کو ہو گا جو اس فوج کو اور اس کے جرنیلوں کو اسلامی اور مسلمان سمجھتے ہیں۔ باقی سیکولر تو پہلے ہی اس کی اصلیت جانتے ہیں اور ان کا فوج سے اختلاف ہے بھی مفادات کی جنگ کے باعث کہ اسلام کو کون زیادہ اقتدار میں آ کر پہلے اور زیادہ نقصان پہنچائے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عقلِ سلیم وفہیم عطا فرمائیں، آمین یاربّ العالمین۔

و صلی اللہ علی النبی۔

☆☆☆☆☆

---

5. Page 11, online version.
6. ایسا ہوٹل جو وسیع وعریض تفریح گاہ پر قائم ہو
7. یعنی غیر رسمی، سفارتی ملاقات
8. Page 14, online version
9. Page 15, online version
10. Page 15, online version

مسلمانانِ برصغیر کے مشترکہ دشمن...پاکستانی اور بھارتی نظام!

صہیب احسن

دولت' دورانِ گفتگو یہ انکشاف بھی کرتا ہے کہ ۲۰۰۳ء کے سیز فائر، یعنی کشمیر کے بارڈر پر جنگ بندی اور بھارت کو باڑ لگانے کی اجازت دینے سے قبل بھی اس وقت کے آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل احسان الحق اور بھارتی را کے چیف اے ایس ساہے کے درمیان رابطہ ہوا، اور اس رابطے کے نتیجے کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''تم دونوں (آئی ایس آئی اور را کے سربراہان) نے وہی کیا جو تمہارے بڑے چاہتے تھے، ایسے ہی نتائج نکلتے ہیں جب خفیہ معلومات کا باہم تبادلہ ہو''۔ یہاں عام قاری کو یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ فائر بندی یا جنگ بندی درحقیقت کشمیری مجاہدین کی پیٹھ میں پیچھے سے چھرا گھونپنا تھا۔ اللہ رب العزت کی یہ خاص حکمت اس میں یہ پوشیدہ رہی کہ مجاہدینِ کشمیر کے سامنے بھی ان خائین حکمرانوں و جرنیلوں کی حقیقت واضح ہو گئی اور بے شمار مجاہدین ایجنسیوں کے تابع جہاد سے نکل کر آزاد فضاؤں کی جانب چل دیے، جہاں ریاست و جنرل کی ایما پر جنگیں نہیں لڑی جاتیں بلکہ صرف رب ہی کی رضا اور اس کے دین کی نصرت کے لیے ہتھیار سجائے جاتے ہیں۔ الحمد اللہ اس جنگ بندی سے عارضی تعطل پیدا ہو جانے کے باوجود چند ہی سالوں میں آج کشمیر کی وادی میں ایک بھرپور تحریکِ جہاد اپنے جوبن پر ہے، جو برہان شہید جیسے خلافت کے داعیوں، شہید ابو دجانہ و ابو حماس جیسے مخلص مجاہدین اور ذاکر موسیٰ جیسے امراء پر مشتمل ہے۔ جن کا مطمع نظر ''پار'' کی ایما پر حرکت و بے حرکت ہونا نہیں بلکہ خالص رضائے رب ہی جن کا مقصد و مشن ہے۔

دورانِ گفتگو دونوں ایجنسی سربراہان اپنے ہاں پائی جانے والی آرا کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں۔ دولت بھارتی حلقوں میں اکھنڈ بھارت کے تصور کے پائے جانے کا ذکر کرتا ہے جس پر جنرل درانی کا ردعمل حیران کن (محب الوطنی کارڈ ذہن میں رکھتے ہوئے) ہے۔ درانی کہتا ہے کہ ''ہمیں اس پر سنجیدہ بحث کی ضرورت ہے۔ ہم حالات کو پیچھے کی سمت کیسے پلٹا سکتے ہیں۔ جیسے کہ ابتدا میں متحدہ ریاستیں اور پھر اکھنڈ بھارت''۔ یہاں وہ یورپی یونین کا حوالہ بھی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی بھی سرحد مستقل نہیں۔ سرحدات تو تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستان کی ''محافظ'' اور ''نمبر ون انٹیلی جنس'' ایجنسی کے سربراہ کے یہ الفاظ ہیں! انہیں دوبار نہیں، سہ بار نہیں بار بار پڑھیے۔ اسی وطنیت پرستی کے جھوٹے دعویٰ نے آج گلیاں، چوک چوراہے، اسلام پسندوں کے مبارک خون سے رنگین کر دیے ہیں۔ آج لاکھوں بے گناہ مرد و خواتین پسِ زندان ہیں۔ بلکہ اس سے بدتر حالت میں یعنی ''لاپتہ'' ہیں۔ ناپیاروں کو خبر کوئی کہ چلو دل کو قرار ہی آجائے۔ اسی ''وطن'' کی حفاظت کے نام پر بلوچستان کو شکارگاہ بنا دیا ہے وحشی درندوں کی۔ قبائل و سرحد میں ہزاروں بے گناہ نوجوانوں کو شہید کر دیا گیا۔ جس کو چاہتے ہیں ''ملک کے لیے خطرہ'' کہہ کر اٹھا لیتے ہیں۔ زیادہ مدہوش ہوں تو ''مقابلے'' میں شہید کر دیتے ہیں۔ اور ان کا سربراہ بھارتی ہم منصب کے ساتھ بیٹھ کر اکھنڈ بھارت کا نقشہ ترتیب دے رہا ہے۔ کشمیر کے سودے جرنیلوں کی ملاقاتوں میں کر لیے جاتے ہیں۔ اور یہاں ''بھارتی ایجنٹ'' کی اصطلاح استعمال کر کے بربریت کی ایسی مثالیں قائم کی جا رہی ہیں کہ چنگیز و ہلاکو بھی شرما جائیں۔

ایک جگہ کشمیریوں کی تکالیف کا ذکر آنے پر جنرل درانی یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ ''کشمیریوں کا تکلیف میں رہنا پاکستان کے لیے باعثِ اطمینان ہے کیونکہ اس صورت میں بھارت کی مخالفت عالمی سطح پر بڑھتی ہے''۔ اپنی بات کی مزید وضاحت دیتے ہوئے درانی کہتا ہے کہ ''لازم نہیں کہ پاکستان کا کردار ہمیشہ کشمیریوں اور مسلمانوں کے حق میں ہی ہو''۔

جنرل درانی پاک بھارت مذاکرات کے حوالے سے کہتا ہے کہ ''ہماری فوجی حکومتوں میں ہمارے ہندوستان سے تعلقات اچھے رہے''۔ اور ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ ''فوج بطورِ ادارہ ''بھارت دشمن'' نہیں ہے''۔ ہم اس کے اس دعویٰ کو من و عن تسلیم کرتے ہیں۔ ہتھیار ڈال کر ملک کافر کے حوالے کرنے کے بعد جس سرنڈر فوج کا سالار' جنرل اروڑا کو فحش لطیفوں پر ہنسانے کی کوشش کرتا رہا ہو، ان سے اس دوستی ہی کی توقع ہے۔ ہاں تکلیف اس بات کی ضرور ہوتی ہے کہ عام پاکستانی عوام کو دھوکہ میں مبتلا رکھنے کے لیے جس کو چاہتے ہیں بھارتی ایجنٹ کہہ کر اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیتے ہیں۔ اور یہ صرف مجاہدین اور ان کے انصار اور دین پسند طبقات تک ہی موقوف نہیں، بلکہ معاشرے کے ہر طبقے میں اپنے مخالفین پر پہلا وار، ان کو ''بھارتی ایجنٹ'' ثابت کرنا ٹھہرتا ہے۔

درانی (گھر کی گواہی) کہتا ہے کہ پاکستان میں موجودہ جنگ کا بیج بونے والا پرویز مشرف تھا، جس نے ۲۰۰۴ء میں وزیرستان میں باقاعدہ فوج داخل کی۔ ساتھ ہی ساتھ جنرل درانی اور دولت اس بات پر بھی متفق ہیں کہ مسئلہ کشمیر پر سب سے زیادہ پیش رفت مشرف کے ہی دور میں ہوئی اور مشرف کا پیش کردہ فارمولا بھارت کے لیے بہت حد تک قابلِ قبول تھا۔ ذرا اندازہ کیجیے! ایک جانب تو مجاہدین سے براہ راست تعارض کیا جا رہا ہے، ان پر بدترین جنگ مسلط کی جا رہی ہے، ہزاروں مجاہدین کو گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کیا جا رہا ہے، ان میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔ ہزاروں کو آپریشنوں اور چھاپوں میں شہید کیا جا رہا ہے۔ بچنے والوں پر بم باریاں کی جا رہی ہیں۔ ہر ہر محفوظ ٹھکانہ ان ظالموں کا نشانہ ہے اور دوسری جانب کفار سے محبت و دوستی کی پینگیں بڑھائی جا رہی ہیں۔ کشمیر کی فائر بندی کا اوپر ذکر ہوا، جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ 'کمانڈو' کشمیر کا مکمل سودا ہی کر چکا تھا، لیکن مشیتِ ایزدی کے آگے کسی کی کب چلی ہے۔ اقتدار ختم ہوا اور وہ اپنے ناپاک عزائم میں ناکام رہا۔ مجاہدین کو بعض لوگ یہ طعنہ دیتے ہیں کہ تم کفار کو چھوڑ کر ''مسلمانوں'' سے جنگ کیوں کرتے ہو؟ ان سب حقائق کو مدِ نظر رکھیے، اور سوچیے۔ کفار سے محبتوں کا دم بھرنے والے مجاہدین تھے یا یہ فوج اور ریاست؟!

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆